بڑھتا ہے ذوقِ جرم...

4089

جانباز مرزا

87275

قیمت ـــــ تین روپے

ناشر ـــــ مکتبہ تبصرہ ۱۰۱ ایبک روڈ۔ لاہور

مطبوعہ ـــــ اردو پریس میکلوڈ روڈ۔ لاہور

تعداد ـــــ ایک ہزار

PUNJAB PUBLIC LIBRARY

Marfat.com

انتساب

اجنبی اقتدار کے دنوں جب چوہدری افضل حق مرحوم اپنے سرکاری عہدہ سے مستعفی ہوکر جنگِ آزادی میں شریک ہوئے، اور اس جُرم کی پاداس میں اُنہیں پہلی بار جیل خانے جانا پڑا۔ تو وہاں کے لیل و نہار اُنہیں راس نہ آئے۔ اور وہ آپے سے باہر ہو اُٹھے۔

گناہ گاروں سے اُن کے نگہ داروں کا برتاؤ، انصاف پسند طبیعت اور دلِ غم خوار کے لئے بغاوت کا بہانہ بن گیا۔

قفس کی تیلیوں میں بھی اگر نسیم سحری کے جھونکے سکون کا پیام نہیں لا سکتے تو بلبلِ ناتواں کے لئے واجب ہے کہ تڑپ تڑپ کر اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دے، لیکن کسی ایسی زنجیر کو قبول نہ کرے، چاہے اُس کی کڑیاں پھول کی پتیوں سے بنائی اور سنواری گئی ہوں۔

قیدیوں سے حکام جیل کے سلوک کو دیکھ کر افضل حق نے جیل (Manual) کے خلاف احتجاج کیا۔ اور اسی جُرم میں انہیں جیل حکام نے کھڑی ہتھ کڑی کی سزا دی۔ یعنی دن بھر چوہدری صاحب کو ہتھ کڑی لگا کر درخت سے باندھ دیا جاتا، اور شام کو اپنی کوٹھڑی میں بند کر دیا جاتا تھا۔ آلِ کار چوہدری صاحب کا دایاں بازو بیکار ہو گیا اور یہی وجہ ہے کہ مرحوم بائیں ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ یہ انبالہ جیل کا واقعہ ہے۔

Marfat.com

جیل خانوں کی اصلاح کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔ اور یہی بیج پرورش پاکر ذرا اونچا ہوا تو بنگال کے ایک نوجوان جتندر ناتھ داس نے جو سردار بھگت سنگھ کے ساتھیوں میں سے ایک تھے، اپنے خون سے اس تصویر کو اور رنگین بنا دیا۔ ان دنوں جیل خانوں میں سیاسی قیدیوں سے عام اخلاقی قیدیوں کا سا سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ انگریزی قانون نے آزادی وطن کی پاداش میں جیل جانے والوں کو چور اور ڈاکوؤں کی صف میں لا کھڑا کیا تھا اور ایک ہی زنجیر تھی جس سے دونوں قسم کے قیدی ایک ہی وقت میں حرکت کرتے تھے، رائج الوقت نظام کے خلاف جتندر ناتھ داس نے جیل کے حکام سے احتجاج کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ سیاسی قیدیوں سے بہتر قیدیوں کا سلوک ہونا چاہیئے۔ لیکن قیدی کی آواز جیل خانے کی بلند دیواروں سے ٹکرا کر رہ گئی۔ آخر جتندر ناتھ داس تریسٹھ دن کی بھوک ہڑتال کے بعد ۱۳ ستمبر ۱۹۳۰ء کو لاہور بورسٹل جیل میں اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

چوہدری افضل حق اور جتندر ناتھ داس اگر آج اس دنیا میں ہوتے تو میں یہ کتاب ان کے نام انتساب کرتا۔

جانباز مرزا

لاہور

۲۴ مارچ ۱۹۶۱ء

Marfat.com

۵

حرفِ آغاز

مجھ سے بعض دوست سوال کرتے ہیں کہ میں نے کون کون سی جیل دیکھی ہے؟ میں کہتا ہوں یہ پوچھو کہ کون کون سی جیل نہیں دیکھی۔

میں نے زندگی کے بارہ برس ان اونچی دیواروں کے سائے میں گذار دیئے ہیں۔ لیکن یہ اونچی دیواریں میرے مقصد سے اونچی نہیں تھیں۔ وطن عزیز کی آزادی کا سودا مجھے ہر قیمت پر کرنا تھا۔ اگر جان دے کر بھی اس بازار سے گذرنا پڑتا۔ تو یہ سودا گراں نہیں تھا۔

جب پہلی بار میرا گذر اس گلی کے موڑ سے ہوا تو یہاں کی ہر چیز میرے لئے اجنبی تھی۔ یہاں بھی ایک سلطنت تھی۔ راعی اور رعایا کے تعلقات میں یہاں بھی نمایاں تفاوت تھا۔ اس بستی کے قانون کی بنیادیں انسانیت کے لہو سے اُٹھائی گئی تھیں۔

یہاں حاکم بھی تھے اور محکوم بھی، دونوں کے دلوں میں انتقام کی بھٹیاں سُلگ رہی تھیں۔ اس الاؤ میں ایندھن کی ضرورت کو انسان کا گوشت پورا کرتا۔ نیز انسانی چربی کی روشنی سے اندھیری کوٹھڑیاں جگمگا اُٹھتی تھیں۔ مگر یہاں کے حاکموں کے دل اس قدر سیاہ ہو چکے تھے، کہ وہ اس روشنی سے بھی انسانیت کوئی راہ تلاش نہ کر سکے۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں جب میں پہلے پہل لاہور بورسٹل جیل لایا گیا تو میرا بچپنا

Marfat.com

جوانی کی سرحدوں پر کھیل رہا تھا، اور ۱۹۵۳ء میں جب آخری بار مجھے جیل بھیجا گیا تو اس سفر کے نشیب و فراز جوں کے توں دکھائی دیئے۔ ظلم و جور اپنے اُسی لباس کی رعنائیوں میں مُسکرا رہا تھا۔ پھول کا ہر کانٹا اپنی نوک مژگاں پر شبنم کے آنسو لے کر بہار کا فریب دے رہا تھا۔ اور اس کے چہرے پر نہ جانے کتنے پھولوں کا خون رقص کر رہا تھا۔ حالانکہ وقت کا تغیّر انقلاب کے اکثر تقاضے پورے کر چکا تھا۔

اجنبی قانون کی دیوار پر نئے زاویوں کی نیو رکھی جا چکی تھی۔ لیکن جیل خانے کے رسم و رواج میں سرمو فرق نہیں آیا۔ یہاں کا انسان انسانیت سے اُسی طرح عاری تھا۔ یہاں کے حاکم اور محکوم دونوں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ جو آگ ۱۹۳۰ء میں قیدی اور افسرانِ جیل کے درمیان بھڑک رہی تھی۔ اُس کے شعلے آج بھی اُسی طرح روشن دکھائی دیتے ہیں۔ کاش! یہ نفرت محبت میں تبدیل ہو جائے۔ قیدی اور افسرانِ جیل اپنے اپنے فرائض کو پہچاننے اور سمجھنے لگ جائیں۔

زیر نظر کتاب کے مرتب کرنے کا خیال مجھے سن ترپن میں لائل پور جیل میں آیا۔

جُرم و سزا کا یہ گوشہ ہمارے عوام اور خواص دونوں کی نظروں سے اوجھل ہے۔ نیکی میں اگر کوئی خامی رہ جائے تو اس کی اصلاح ممکن ہے۔ لیکن جب بُرائی پختہ ہو جائے تو اس کا علاج غیر ممکن ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

انہیں سوچوں میں رہائی کے بعد زیرِ نظر کتاب کا مسودہ ہنوز نامکمل تھا۔ تکمیل میں سب سے بڑی دیوار میری انگریزی زبان سے ناآشنائی تھی۔ چنانچہ برادرم منظور احمد بھٹی اور ایسے ہی دوسرے دوستوں کی معاونت سے پنجاب لائبریری سے بعض کتابوں کا جو اس موضوع سے متعلق تھیں، حاصل کیں، اور اس مشکل کام کو آسان کیا۔

اب اس کی اشاعت کا سوال تھا۔ مدیر "چٹان" آغا عبدالکریم صاحب شورش نے اس کی ذمہ واری لی۔ لیکن وہ اپنے موافق حالات کے پیشِ نظر اپنے وعدہ کی وفا نہ کر سکے۔ آخر انیس سو ۱۹۶۱ء اکاسٹھ تک مسودہ انہیں کی تاویل میں رہا۔ نہ جانے کس بزرگ کی دُعا کارگر ہوئی کہ شورش صاحب نے یہ مسودہ واپس کر دیا۔ اور آج میں اسے عوام کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

—— اگر ——

یہ کتاب ۱۹۲۵ء تک عوام میں آجاتی، تو اسیران اور حکام دونوں کے لئے مفید ہوتی۔ تاہم میں اب بھی مایوس نہیں ہوں ع

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

آخر میں اُن مصنفوں اور اخبار کے ایڈیٹروں کا ممنون ہوں۔

Marfat.com

کہ جن کی تصنیفات اور اخبارات نے مشکل ترین موڑوں پر
میری رہنمائی کی۔

جانباز مرزا

Marfat.com

رانا جہان داد خان

انسپکٹر جنرل' جیل خانہ جات' مغربی پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

رانا جہانداد خاں

موجودہ دور میں - کسی محکمہ کے افسر کا نیک ہونا - ایسا ہی ہے - جیسے ببول کے درخت پر گلاب کا پھول تاہم نیک سیرت اور بصیرت رکھنے والے لوگ ہر محکمہ میں تلاش کئے جا سکتے ہیں -

رانا جہان داد خاں بھی گنتی کے چند آن افسروں میں شمار کئے جاتے ہیں جنہوں نے ہمیشہ اپنے محکمہ سے انصاف کیا - اور اپنے فرائض کی انجام دھی میں جھول نہیں آنے دی - وہ جس وردی میں ہوں اسکا احترام آن کے پیش نظر رہا ہے - جب وہ پولیس افسر تھے - تو پولیس کی روائتی گفتگو آن کی زبان پر کبھی نہیں آئی اس کے باوجود قانون کی دیواریں توڑنے والے آن کے سامنے سر نگوں رہے -

آج رانا جہان داد خاں مغربی پاکستان میں جیل خانوں کے افسر اعلیٰ ہیں - آن کی نظر دیکھتی ہے - دل محسوس کرتا ہے اور دماغ سوچتا ہے - کہ جرائم کیوں اور کیسے پرورش پا رہے ہیں - آیا امارت جرائم کی معاون ہے - یا غربت آدمی کو مجرم بنا دیتی ہے - یہی دو سوال ہیں جو حل طلب ہیں - اور جیل خانوں کی اندر کی آبادی بھی انہی دو سوالوں کے گرد چکر کاٹ رہی ہے -

رانا جہانداد خاں ایسا دور اندیش افسر ان سوالوں کے جواب تلاش کرنے میں مصروف ہے - چنانچہ گذشتہ دنوں سے آن کی یہ تجویز حکومت مغربی پاکستان کے سامنے ہے - کہ

جیل میں اخلاقی قیدیوں سے امتیازی سلوک کیوں کیا جا رہا ہے -

Marfat.com

امیر کا لڑکا اگر کوئی جرم کرتا ہے تو اسے جیل میں بہتر کلاس دی جاتی ہے اور اسی جرم کا مرتکب اگر غریب کا لڑکا ہو تو اسے عام قیدیوں کی طرح رکھا جاتا ہے ۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں فاطمہ بنت قیس کا ایک مقدمہ پیش ہوا اس پر چوری کا الزام تھا ۔ اس مقدمہ کے دوران بہت سی سفارشات حضور تک پہونچی کہ فاطمہ بنت قیس کو رہا کر دیا جائے ۔ یہ عرب کے ایک معزز قبیلہ کی لڑکی ہے ۔ اس پر فخر انبیاءؑ نے فرمایا ۔

کہ فاطمہ بنت قیس ہی نہیں ۔ فاطمہ بنت محمد بھی اگر چوری کرے گی تو اس کے ہاتھ بھی قطع کر دئے جائیں گے ۔ نیز فرمایا ۔ کہ تم سے پہلی امتوں کی تباہی کا باعث بھی ایسی ہی چیزیں تھیں کہ انہوں نے اپنے امراء کے عیب کی پردہ پوشی کی اور اپنے سے کمزوروں پر تعزیریں قائم کیں ۔

اس تجویز کے علاوہ انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات رانا جہانداد خاں قانون اور جرم کے درمیان جو دیوار حائل ہے اسے پاٹنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں ۔ اگر قانون نے انسان کو اور انسان نے جرم کو سمجھ لیا تو وقت کا بہت سا راستہ بغیر سفر کے طے ہو جائے گا اور اس کا سہرا رانا جہانداد خاں ایسے افسروں کے سر پر ہوگا ۔ خدا ان کے نیک ارادوں میں ان کا معاون ہو ۔ (آمین)

مصنف

Marfat.com

ابتدائے آفرینش سے اگر انسانی گناہوں کا شمار کیا جائے تو آسمان کے ستارے بھی گنتی میں بہت کم نکلیں گے۔ اور آدمی کی فردِ جرم اس قدر طویل ہے کہ پہاڑوں کی بلندیاں اور سمندر کی گہرائیاں بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں ان گناہوں میں کچھ تو ایسے ہیں جو افسانہ نہیں اور وہ خواہشات نفسانی کے تحت سرزد ہوتے ہیں۔ انہیں عقلِ سلیم بھی خواہ جنون کے قریب ہو چکی ہو تسلیم کریگی کہ یہ گناہ ہے

سلطنتِ وقت نے انسان کی بعض ایسی حرکات کو بھی گناہ قرار دیا ہے۔ جسے انسان کا اپنا ضمیر وقت کی آواز کہہ کر اپنے کو مطمئن کرتا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ وہ گناہ نہیں ہوتا۔ لیکن حکمران لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ گناہ ہے لہذا وہ گناہ ہے اور اس گناہ کے مجرم عام انسان ہی نہیں ٹھہرائے گئے بلکہ

Marfat.com

پیغمبر بھی اس جرم کے کٹہرے میں

پا بدستے دگرے

دست بدستے دگرے

لائے اور کھڑے کئے گئے۔ چنانچہ نمرود کی آگ مصر کا جیل خانہ اور صلیب کا نشان میدان کربلا کی طرح آج بھی زندہ جاوید ہیں! دریائے نیل کے ہزاروں طوفان فرعون کی لاش ہنوز اپنی آغوش میں لئے بیٹھے ہیں تاکہ دنیا قوم موسیٰ کے عروج وزوال کی داستان دیکھ اور سن سکے۔

یہ ایسے لوگوں کی کہانی ہے جن کی پشت پناہی ہمیشہ قلم اور تلوار نے کی۔ اور وہ ایسے مقام پر آکھڑے ہوئے جہاں نیکی بدی سے الگ اپنا راستہ تجویز کرتی ہے اور انسان انسانی طاقت کے بلند مینار پر کھڑا ہو کر آدمی کو آدمیت سے دور دیکھتا ہے۔ وقت کے عارضی اور شخصی وقار کا سہارا لے کر زندگی کے لئے ایک سنگھاسن تجویز کرتا ہے اور اسے دائمی سمجھتا ہے لیکن جیسے ہی قلم اور تلوار اس کی اپنی موت پر دستخط کرتے ہیں تو اسے اپنے گناہوں کی قلم چلتی دکھائی دیتی ہے مگر اس کا احساس ہونے تک زندگی موت کے دروازے پر دستک دے چکی ہوتی ہے مسافر منزل کی حد سے گذر چکا ہوتا ہے جیون بینا کے تمام تار ٹوٹ کر گر چکے ہوتے ہیں! اس کی لے نہ تو اب تھمہ گایا جا سکتا ہے نہ فریاد کے لئے کوئی سُر ساتھ دے سکتی ہے۔

Marfat.com

اس کارگاہ عالم میں انسان کی حیثیت آسمان کے بے ربط ستاروں کیطرح ہے۔ وہ چلتا ہے تو صراط مستقیم چھوڑ کر۔ بیٹھتا ہے تو اٹھنے کے لئے بے قرار نظر آتا ہے۔ ہنسنے کا سامان قدرت کرتی ہے تو رونے کے بہانے وہ خود تلاش کر لیتا ہے۔ اگر دل کسی راز کو راز بنانا چاہتا ہے تو نگاہوں کے آنسو اس کی پردہ دری کرتے ہیں! زبان اور دل کے ہم آہنگ ہونے میں بڑا راستہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اگر ان میں ہم آہنگی ہو تو فیصلے میں غلطی نہیں ہو سکتی اسی طرح اگر انسانی وجود کے تمام اعضاء ہم نوا ہوں تو فطرت کے خلاف بغاوت کا امکان ہی نہیں ورنہ یہیں سے گناہ کی ابتدا ہوتی ہے۔

پس پھر کیا ہے انسان عجیب عجیب حرکات کا مرتکب ہوتا ہے جنون شوق کی کتنی راہیں ایسی ہیں جن پر چلتے وقت یہ خود کو کوسوں دور چھوڑ جاتا ہے پھر اس پگڈنڈی پر کس قدر کانٹے ہیں! جن سے اس کا دامن نہیں اُلجھتا۔

کہیں اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کو خدا کا وسیلہ خیال کرتا ہے کہیں چاند اور سورج کی چمک اس کی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اور یہ جبین نیاز خم کر دیتا ہے کہیں درخت کی گھنی چھاؤں اور بہتے پانی کے تیز دھارے کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ قوت و حکومت کا موسمی اقتدار تو انسانی زندگی کا اکثر ملجا اور ماوا رہا ہے۔

انسان جب ضد پر آمادہ ہو تو خالق کو مخلوق کا درجہ دینے میں دیر نہیں لگتی ہو نہ ہو شاید یہی وہ مقام ہے جہاں آدمی کا دل اور دماغ سوچنے میں ہم آہنگ

Marfat.com

نہیں ہوتے اور اس گناہ کی وادی میں قدم بھی انسان کا ساتھ دیتے ہیں ضرورت پڑے تو ہاتھ بھی اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ نگاہوں سے حیاء رخصت ہو جاتی ہے ضمیر مردہ ہو چکا ہوتا ہے قوت ہاضمہ رزقِ حرام کے ہضم کرنے میں معاون ہوتی ہے اور یہی انسانی گناہوں کی معراج ہے۔

اس پھسلنی زمین پر گناہ اپنے شکار کے لئے سینکڑوں روپ دھارتا ہے معصیت پسند انسان مختلف کمین گاہوں سے ہوتا ہوا آخر اس میں الجھ جاتا ہے وقت کی رفتار کے ساتھ جیسے وہ آگے بڑھتا ہے زیست کی تمام راہیں اسے برائی کی سنگ میل دکھائی دیتی ہیں یہ وہ راستہ ہے جہاں صرف دکھائی دیتا ہے سنائی نہیں دیتا۔ اس راستے کے ایک ایک موڑ پر گناہ ہمہ اقسام کے لبادے لئے کھڑا رہتا ہے ان میں شخصی وقار اور شہنشاہی کا لباس سب سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے اس کی تاب و توانائی سے عقل و خرد کے تمام چراغ روشن ہونے لگتے ہیں یہی روشنی ہے جو انسان کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

پھر انسان انسانوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے جرم و سزا کی یہ تاریخ اس قدر بوسیدہ ہو چکی ہے کہ مستقبل کا مورخ اس میں اپنے لئے کوئی جاذبیت نہیں پاتا۔

انسان اور گناہ ایک ہی چیز کے دو مختلف نام ہیں پیغمبر کے علاوہ فطرتِ انسانی بہر طور اسی بازار کی جنس ہے طلوع و غروب کے درمیانی عرصہ

Marfat.com

میں یہ سودا کئی بار بیچا اور خریدا جاتا ہے۔

رنڈی کے چوبارے سے لے کر شہنشاہ کے تخت تک گناہ کی سینکڑوں ہی سیڑھیاں ہیں جنہیں آدمی، آدمیت سے الگ ہو کر صرف گناہ کے سہارے عبور کرتا ہے۔ انسان دنیاوی طور پر جتنے بلند مقام پر ہو گناہ کا درجہ اسی قدر اونچا اور بلند ہوتا ہے۔

زمانہ جس قدر منزلیں طے کرتا جا رہا ہے۔ ماضی کے نقوش اسی تیزی کے ساتھ ابھرتے اور نکھرتے جا رہے ہیں۔ پتھروں کی سلوں سے اتر کر نقشِ ماضی تاریخ کے دامن سے بندھ چکے ہیں کہ انسان جب برسرِ اقتدار آیا تو اس نے انسان اور انسانیت سے کیا برتاؤ کیا۔

رومن سلطنت میں :۔

انسانی گناہ اپنے شباب پر تھا چنانچہ حیوانوں سے بدفعلی کا عام رواج تھا اور لوگ جس جانور کے ساتھ بدفعلی کرنا پسند کرتے اسی کے نام کے ساتھ اپنا نام منسوب کرتے مثلاً ایک آدمی بکری کو پسند کرتا ــــ وہ "گیراوی" (بکروی) اور جو بطخ کو پسند کرتا وہ "افراوی" (بطخی) کہلاتا تھا۔ کتوں اور بندریوں کے دلدادہ "بلواری" کہلاتے تھے۔

مسیحیت کے ابتدائی دور میں :۔

بعض ملحد فرقوں میں حیوانات کے ساتھ بدفعلی اور اغلام بازی کو اچھا

Marfat.com

سمجھا جاتا تھا۔

نمرود کے عہد میں :۔

محض مٹی کے بت توڑنے کے الزام میں انسان کو زندہ آگ میں جلا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکنا اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اور جو لوگ اپنے مذہب سے منحرف ہو جاتے ان کے ہاتھ اور پاؤں میں لوہے کی میخیں ٹھونک دی جاتی تھیں۔

برہمن کے عہد میں :۔

انسان نے جب برہمن کا روپ دھارن کیا تو اپنے علاوہ عام انسانوں کو تین ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ۱۔ کھشتری۔ ۲۔ ویش۔ ۳۔ شودر۔ آخر الذکر کو اس قدر ذلیل سمجھا گیا۔ کہ اونچی ذات کے کسی آدمی کو گالی دینے پر اس کی زبان کاٹ لی جاتی تھی۔ برابر بیٹھنے پر جسم میں گہرا گھاؤ کر دیا جاتا۔ اگر مذہبی امور میں وہ کسی برہمن کو مشورہ دیتا تو اس کے منہ اور کان میں گرم تیل ڈال دیا جاتا۔ برہمن کی چوری کرنے پر شودر کو موت کی سزا ملتی۔ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ سلوک کا یہ عالم تھا کہ ذرا سی مذہبی غلطی پر آگ میں جلا دیا جاتا پرائی عورت سے اختلاط کی بنا پر کتوں سے پھڑوا دیا جاتا یا لوہے کے پلنگ پر آگ سے

Marfat.com

تپا کر جلا دیا جاتا۔

چندر گپت کے عہد میں :۔

محض چنگی کا محصول نہ دینے پر پھانسی دے دی جاتی تھی۔

شاہجہان کے عہد میں :۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے ہاتھوں کے پہنچے محض اس لئے اتروا دیئے کہ انہوں نے حجت البالغہ کتاب کیوں تصنیف کی۔

فرخ سیر کے عہد میں :۔

سیاسی اور مذہبی اختلاف کی بنا پر بندہ بیراگی اور اس کے ساتھیوں کو تاش کا جامہ پہنا کر لوہے کے پنجرے میں بند کیا گیا۔ اور اس کے تمام جسم کو گرم سلاخوں سے داغا گیا اس کے سامنے اس کے معصوم بچے اور اس کی بیوی تک کو قتل کیا گیا۔

حیدر علی کے عہد میں :۔

کھنڈے راؤ کی مرہٹوں سے سازش کی بنا پر حیدر علی کو بنگلور چھوڑ کر بھاگنا پڑا واپسی پر فاتح حیدر علی نے مفتوح کھنڈے راؤ کو اسکی رانی کے مشورہ پر لوہے کے ایک پنجرہ میں مدتوں طوطا بنا کر رکھا۔

انگریزوں کے عہد (۱۸۵۷ء) میں :۔

آزادی مانگنے کے جرم میں مسلمان قیدیوں کے جسم کو گرم لوہے اور

Marfat.com

تانبے سے داغا گیا۔ انہیں زندہ سوّر کی کھالوں میں سی سی کر آگ میں جلایا گیا۔ توپ سے باندھ کر اڑانے کا سلسلہ تو عام تھا۔

تاریخ انسانی کے دامن میں ایسے ہولناک واقعات کی کمی نہیں لیکن دَورِ رواں کے پاس وقت کی کمی فردرہے زمانہ جس تیز روی کے ساتھ مستقبل کا راستہ طے کر رہا ہے اس کے ہاں ماضی بعید کی کہانی سننے کا وقت کہاں ہے بنا بریں واقعات کو زیادہ طوالت نہیں دی گئی ورنہ کائنات کے ایک ایک ذرّے سے انسانی معصیت کی بو آرہی ہے اور اس تعفن سے فرشتوں کے پر جلنے لگے ہیں اور ڈر ہے کہ اس جلن سے پھڑ پھڑا کر فرشتے یزداں کے حضور میں پھر سے نہ کہہ اٹھیں:

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ

جیل

یہ لفظ انگریزی زبان کا ہے اور عربی میں یہی لفظ سجن کہلاتا ہے فارسی میں اسے زنداں کہتے ہیں اور اردو میں قید خانہ۔

جس قدر ان الفاظ کی عمر ہے۔ اسی قدر یہ عمارت بھی پرانی ہو چکی ہے۔ اگرچہ تاریخ اس پر منوں مٹی کا بوجھ ڈال چکی ہے اور اس کے رنگ و روغن میں مختلف صدیوں میں مختلف تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ تاہم ہر آنے والے شخص اور اجتماعی قانون نے اسے اپنے طور طریقوں سے ابھارنے کی کوشش کی تا آنکہ یہ پرانی یہ عمارت ہنوز اپنے انوکھے پن سے انسانیت کے دامن پر ایک داغ بن کر چمک رہی ہے۔

تاریخ کے الٹ پھیر سے پتہ چلتا ہے کہ جیل خانہ کی عمارت بھی زمانہ کے

Marfat.com

ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بدلتی رہی ہے۔ چنانچہ ابتدا میں مجرم کو پہاڑ کی غاروں اور زمین دوز عمارات میں قید کیا جاتا تھا۔ زمانہ اور آگے بڑھا تو گھر کی چار دیواری مجرم کے لئے تجویز کی گئی۔ جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حکومت مصر کے عاملہ داروں کے گھر میں رکھا گیا۔ اور اس کے انتظام کے لئے ایک داروغہ مقرر تھا۔ فرعون مصر کا باورچی اور ساقی بھی بطور مجرم یہیں قید تھے۔ بنی اسرائیل کے عہد میں جیل خانہ بادشاہ وقت کے محل کے عین مقابل ایک صحن دار پھاٹک والی عمارت کی صورت میں ہوتا تھا۔ اور ان سے چکی پسوانے کی مشقت لی جاتی تھی باغی قیدی کو بید مارنے کی سزا کا رواج بھی بنی اسرائیل کے عہد کی یادگار ہے۔
حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانے میں بھی ایسی ہی سزاؤں کا رواج تھا۔ بلکہ جیل میں داخل ہوتے وقت مجرم کو کاٹھ مار دیا جاتا تھا یعنی مجرم کے پاؤں میں لکڑی کی بھدی بیڑی کی قسم کی ایک چیز ڈال دی جاتی تھی۔ اور اسے مقفل کر دیا جاتا تھا اس سے مجرم ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ بنی اسرائیل اور عیسائیت کے عہد میں مجرموں سے ایسا ہی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔

آفتاب رسالت سے پہلے تمام عرب گناہوں کے اندھیرے میں گھرا ہوا تھا۔ انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی تھی۔ قانون اور جرم ایک دوسرے سے لجاجت کر رہے تھے۔ اس فضا میں فاران کی چوٹی سے اللہ کا پیامبر ایک قانون لیکر اترا اور اس نے قانون الٰہی کے مجرموں کو جو سزائیں دیں۔ وہ ماقبل تاریخ سے

Marfat.com

نئی اور انوکھی تھیں۔ حضور قیدیوں کو اپنے صحابہ کے گھروں میں تقسیم کر دیتے تھے اور انہیں پیٹ بھر کر کھانا دیا جاتا تھا۔ شرارتی قسم کے قیدیوں کی مشکیں باندھ دی جاتی تھیں۔ چنانچہ عباس بن عبدالمطلب ایک قیدی ہیں۔ جو بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ انہیں حضور سرورِ کائناتؐ کے دولت کدہ پر مشکیں باندھ کر رکھا گیا تھا۔ بعض قیدیوں کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ دیا جاتا تھا۔

خلافتِ فاروقی تک عرب میں جیل خانوں کا بظاہر کوئی انتظام نہیں تھا۔ چنانچہ حضرتِ عمرؓ نے سب سے پہلے مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر جیل خانے کی بنیاد ڈالی۔ پھر تمام اضلاع میں اسی قسم کے عام جیل خانے بنوائے گئے۔ شروع میں یہ عمارات بعض جگہوں پر گھاس پھوس اور بانسوں سے تعمیر کی گئیں سنہ ۱۷ ہجری کے اواخر میں عمارات پختہ بننا شروع ہو گئی تھیں۔ پختہ جیل خانوں کے علاوہ حضرتِ عمرؓ نے تہ خانہ بھی قیدیوں کے لئے استعمال کیا چنانچہ اس زمانہ کا مشہور شاعر جو فن جو میں کمال رکھتا تھا، ایک تہ خانہ میں قید کیا گیا۔

اگر کوئی مالدار اپنے کسی گناہ کی وجہ سے قید کیا جاتا تھا۔ تو اسے اپنے مال سے اپنی خوراک کا انتظام کرنا پڑتا تھا۔ ورنہ عام قیدیوں کے لئے خوراک بیت المال سے جاتی تھی۔

یہی حال ہندوستان کا تھا۔ یہاں کے راجاؤں اور مہاراجاؤں نے قیدیوں کے لئے یا تو قلعے استعمال کئے۔ یا پھر پہاڑوں کے غاروں سے کام لیا چنانچہ

Marfat.com

متھرا کے راجہ کنس نے کرشن کے والدین کو اس خوف سے کہ ان کا لڑکا میری موت کا باعث ہوگا اپنے قلعے کے برابر ایک بڑے سے مکان میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال کر باہر سے تالہ ڈال دیا تھا۔ اور وہ اس جگہ پر بارہ برس تک قید رہے۔ اسی طرح راجہ جرسندھ نے اپنے سیاسی حریفوں کو پہاڑ کی کھوہ میں ایک گڑھا کھود کر اس میں بند کر دیا تھا۔ اور اس کے دروازے پر ایک بھاری پتھر رکھ دیا گیا تھا۔ راجہ نند دیو (جو قبل از مسیح گذر چکے ہیں) نے اپنے وزیر اعظم اشک ٹار کو مع اس کے خاندان کے اندھے کوئیں میں قید کیا تھا۔ اور تمام خاندان کو سوا دو سیر ستو بطور خوراک دیئے جاتے تھے۔

علاؤالدین خلجی کے عہد میں گوالیار کا قلعہ عام قیدیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اور جھانسی کا قلعہ کچھ مدت مجرموں کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ چنانچہ جلال الدین کے دونوں بیٹوں کو اس کے کوتوال نصرت خان نے جھانسی کے قلعہ میں قید رکھا۔ محمد شاہ تغلق کے دور حکومت میں بڑے بڑے مجرموں کے لئے قلعوں کے اندر ایسے ایسے خوفناک گڑھے تعمیر کئے جاتے تھے۔ جن میں چوہے پرورش کئے جاتے۔ اور ان چوہوں سے بلیاں بھی خوف کھاتیں۔ یہ چوہے رات بھر قیدیوں کو پریشان کرتے۔

سطور بالا سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف حکمران اپنے سیاسی اور غیر سیاسی مجرموں کو قلعوں اور پہاڑوں کے غاروں میں قید کر کے انہیں سزا

Marfat.com

دیتے تھے۔ مگر جیل خانوں کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں تھا۔

محمد شاہ تغلق کے ہم عصر سلطان جلال الدین کی بیٹی سلطانہ خدیجہ نے جزیرہ مالدیپ میں لکڑی کے گھروں میں قیدیوں کو رکھنا شروع کیا۔ یہ گھر عام طور پر سوداگروں کے مال واسباب کے لئے بھی استعمال ہوتے تھے۔

مرہٹوں کے نظام سلطنت ۱۷۳۸ء سے ۱۸۵۲ء تک مجرموں کو مویشی باڑا میں رکھا جاتا تھا۔ اسی زمانہ میں چور اور ڈاکوؤں کا سامان ضبط کر لیا جاتا اور انہیں بیڑیاں ڈال کر مویشی خانہ میں قید کر دیا جاتا۔ دیگر جرائم کے مجرموں کے ہاتھ اور انگلیاں کاٹ لینے کا بھی رواج تھا۔ سیاسی لحاظ سے یہی وہ زمانہ ہے جب ہندوستان کی غلامی کی ابتدا ہوئی۔ پھر جہاں جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کا اقتدار بڑھا۔ وہیں جیل خانے کی تعمیر شروع ہوئی۔ لیکن عام طور پر انگریزی حکمرانوں نے بھی قلعوں کو بطور جیل استعمال کیا۔ چنانچہ ۱۸۰۱ء میں شاہ اودھ کو کلکتہ کے قلعہ میں ــــ ۱۸۰۶ء میں خاندان ٹیپو کو ویلور قلعہ میں ــــ ۱۸۴۸ء میں رانی جند کور کو چنار کے قلعہ میں نواب واجد علی شاہ کو ۱۸۵۶ء میں فورٹ ولیم میں قید رکھا گیا۔

ایشیائی ممالک کی اس تاریخ کے علاوہ یورپ اپنے تمدن کے باوجود جرم وسزا کے کٹہرے میں اسی طرح پابہ سلاسل ہے۔ جس طرح دوسرے ملک۔

مسٹر جان ہاورڈ (John Howard) [illegible]ء صدی کے اواخر میں جیل خانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

Marfat.com

قید خانہ ایک ایسی تنگ و تاریک کوٹھڑی ہوتا تھا۔ جس میں آدمیوں کی بھرمار گندگی اور بدبو کے ساتھ ہوا کا نام و نشان نہ ہوتا تھا قیدیوں کی غذا کا انحصار جیلر کی مرضی پر ہوتا تھا۔

پانی انتہائی قلیل تعداد میں دیا جاتا۔ گھاس پھونس کا بستر ہوتا تھا پاؤں میں بھاری بھرکم بیڑیاں پہنائی جاتیں۔ تمام قیدی جیلر کے غصّہ کے برابر کے شکار ہوتے تھے۔

جیل میں قید رکھنے کی بجائے جلاوطنی کو زیادہ پسند کیا جاتا تھا۔

اُس زمانہ میں مسٹر جان ہاورڈ (John Howard) نے بہت سی تجاویز جیل خانوں کی اصلاح کے لئے پیش کیں۔ اس کی تائید مسٹر جیری بینتھم (Jeremy Bentham) نے کی۔ جو ان دنوں پارلیمنٹ کا ممبر تھا۔ تجویز یہ تھی کہ قید خانہ ایک گول احاطہ کی شکل میں لوہے کے جنگلے کی صورت میں ہو جس کے بیرونی محیط پر کوٹھڑیاں ہوں۔ نیز یہ کہ ہر قیدی کو کڑی نگرانی میں رکھا جائے۔ اور کچھ نہ کچھ کام لیا جائے۔

آخر ۱۸۱۳ء میں (Mill Bank) مل بنک قید خانے کی تعمیر شروع ہوئی جس کی ۱۸۱۶ء میں جزوی طور پر تکمیل ہوئی۔ اور یہ تجویز وضع ہوئی کہ تنہائی۔ کام پر لگانے اور مذہبی تعلیم سے قید خانوں کی اصلاح کی جا سکتی ہے۔

یہ جیل ایک عجیب شان سے شروع کیا گیا۔ اس کی تعمیر پر تقریباً نصف کروڑ

87275

Marfat.com

روپیہ خرچ کیا گیا۔

لندن میں اس قید خانے کے تھوڑے فاصلہ پر شہر کا بڑا قید خانہ نیو گیٹ (NEW GATE) شرمناک حالت میں تھا۔ چنانچہ ۱۸۱۴ء میں اس کو از سر نو منظر عام پر لانے کے لئے ہر ممکن ذرائع استعمال کئے گئے۔

۱۸۱۷ء میں مس فرائی (MISS FRY) نے زنانہ قیدیوں کی حالت کو دیکھا۔ ان کی اصلاحات کے لئے اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ جس جیل خانہ میں گئیں۔ قیدیوں کو جنگلی جانوروں کی طرح گالی گلوچ دھول دھپا اور بداخلاقی میں مصروف پایا۔ اور اس نے ان حالات کے پیش نظر جیل خانوں کو دنیا میں دوزخ کا نام دیا۔ ایک مہینہ کی مختصر جدوجہد کے بعد وہ صرف ایک جیل خانہ کو سکون اور خاموشی میں تبدیل کرا سکی۔ انہیں جنگلی جانوروں کی طرح سدھایا گیا۔ اسی قسم کی اصلاحات انگلستان کے دوسرے قید خانوں میں بھی کی گئیں۔

مس فرائی (MISS FRY) کی کامیابی سے متاثر ہو کر پرزنس ڈسپلن سوسائٹی (PRISON DISPL IN SOCIETY) نے اپنا کام شروع کیا اور جیلوں میں غیر انسانی سلوک کے خلاف احتجاج کیا۔ اور جیلوں کو زیادہ سے زیادہ آرام دہ بنانے کی تجویزیں کی گئیں۔ اس وقت کی حکومت نے سوسائٹی ہذا کے اس اقدام کو قیدیوں کے حق میں زہر قاتل اور جرائم میں اضافہ کا باعث خیال کیا لیکن سوسائٹی اپنی منزل کی طرف بڑھتی رہی۔ اور بعض اصلاحات تو ایک مسلمہ قانون

Marfat.com

میں گئیں۔ مثلاً زنانہ قیدیوں کی انچارج عورت ہونی چاہئے۔ مردوں کو عورتوں سے علیحدہ رکھا جائے۔ اور انہیں کسی نہ کسی کام پر لگایا جائے وغیرہ وغیرہ۔ کافی عرصہ تک ان اصولوں کو اگرچہ تسلیم نہیں کیا گیا۔ لیکن ۱۸۲۳ء و ۱۸۲۴ء کے قوانین میں بہرحال انہیں مان لیا گیا۔ نیز یہ بھی تسلیم کیا گیا۔ کہ قیدخانوں میں صحت کی برقراری کردار کی اصلاح اور سخت محنت کی عادت انتہائی ضروری ہے۔ ہتھکڑیاں لگانا اور بیڑیاں پہنانا سختی سے منع کر دیا گیا۔ اور فیصلہ کیا گیا۔ کہ ہر قیدی کا ایک بستر ہو اور اسے علیحدہ کوٹھڑی میں رکھا جائے۔

۱۸۳۱ء میں دارالعوام (لنڈن) کی طرف سے ایک کمیٹی منتخب کی گئی۔ جس نے اس معاملہ کی تحقیقات کی اور کچھ مشکلات پیش کیں۔ جو موثر اقدامات کے سلسلے میں حائل تھیں۔ اس کمیٹی نے سفارش کی کہ تمام قیدخانوں کو یکسر بدل دیا جائے اور ہر قیدی کے لئے علیحدہ علیحدہ کوٹھڑی تعمیر کی جائے۔

اس کمیٹی کے اکثر افراد ریاست ہائے متحدہ کے عظیم الشان قیدخانوں سے متاثر ہوئے تھے۔

۱۸۳۵ء میں پھر سے دارالامراء (HOUSE OF LORDS) کی منتخبہ کمیٹی نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور طویل تحقیق کے بعد مردوں کو عورتوں سے علیحدہ رکھنے کے اصول کو تسلیم کیا۔ نیز اس بات پر زور دیا کہ کام اور تعلیم وغیرہ کے سلسلہ میں سب قیدیوں سے یکساں سلوک کیا جائے۔ اور ایسے افراد مقرر کئے

Marfat.com

جو جائزہ لیں کہ کمیٹی کے ان قوانین پر عمل ہو رہا ہے کہ نہیں
انگلستان کی طرح جہاں کہ پچاس برس قید ایک دوسرے درجہ کی سزا رہی ہے۔
امریکہ نے بھی اپنے ہاں کے جیل خانوں کو نئے سرے سے درست کرنے اور ان کی اصلاح کے لئے قدم اٹھایا۔ چنانچہ اٹھارویں صدی کے آخر میں مسٹر کیوکراف پنسے لیوانیا (Quaker of Penyuania) نے اپنا فرض خیال کیا کہ قیدی کی زندگی کو سدھارا جائے۔ اس سلسلہ میں پہلی کڑی وال نٹ (Walnet) سٹریٹ کے حالات درست کرنا تھا یہ جیل خانہ امریکہ کے بڑے جیل خانوں میں سے نہیں تھا تاہم اس کی اصلاح کے نتائج سے یہ بات تسلیم کر لی گئی۔ کہ قید تنہائی کوئی اچھے نتائج پیدا نہیں کر سکی۔ امریکہ کی دوسری کئی ریاستوں نے پنسے لیوانیا کی خیال پر عمل کیا ۱۸۱۶ء میں نیو یارک میں ایک نیا قید خانہ آبرن (Auburn) بنایا گیا۔
کرافورڈ (Crawford) جو قید تنہائی کے حق میں تھا۔ یہ بات تسلیم کئے بغیر نہ رہ سکا۔ کہ قید تنہائی خودکشی کی واردات کو جنم دیتی ہے۔ اس کے بعد (Sing) سنگ سنگ کے قید خانہ میں ایک نیا سسٹم رائج کیا گیا۔ جس کے مطابق کھانے کے اوقات میں اور رات کے وقت قیدیوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جاتا۔ لیکن کام کے وقت سب اکٹھے رہتے تمام قیدیوں کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ کام پر خاموشی اور سکون کے ساتھ رہیں۔ اس طریق کار پر عمل کرتے ہوئے حکام جیل نے بہت ظلم روا رکھا۔ مسٹر کرافورڈ نے قید خانوں کے مندرجہ نظاموں کے فوائد اور

Marfat.com

نقصانات گنوا کر" پنسلوانیا" کے مشرقی قیدخانوں میں رائج طریقوں کو سراہا۔ کرافورڈ ریاست ہائے متحدہ سے واپس آیا تو تجویز کیا کہ ہر قیدی کو علیحدہ علیحدہ کوٹھڑی میں سلایا جائے۔ حکومت نے کرافورڈ کے نظریات کی تعریف کی اور جہاں جہاں ممکن ہوسکا اس پر فوری عمل کیا۔

مل بنک میں قید تنہائی پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا چنانچہ ۱۸۳۰ء میں" لارڈ جان رسل" نے یہ رائے ظاہر کی کہ قیدیوں کو علیحدہ علیحدہ رکھنا ضروری ہے آخر ۱۸۳۹ء میں قانون پاس کیا گیا۔ کہ تمام قیدیوں کو الگ الگ کوٹھڑی میں رکھا جائے۔ اس آئین کی رو سے ۱۹۴۰ء میں پنٹوویلا (PENTO VILLA) نامی قیدخانہ کی تعمیر شروع کی گئی جس میں ۵۲۰ علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیاں تھیں۔

چھ سال کے قلیل عرصہ میں امریکہ کے علاوہ بلجیم اور فرانس میں بھی اسی قسم کے جیل خانے تعمیر کئے گئے۔

۱۸۹۹ء کے پہلے مہینے میں قیدیوں کو اکٹھا رکھنے کا طریقہ رائج کیا گیا۔ اور ۱۹۱۰ء میں ہوم سیکرٹری نے بہت سے قوانین منسوخ کئے جو قیدیوں کی اصلاح میں حائل تھے۔

مسٹر جارج گرے نے تین اصول وضع کئے جن کی رو سے گرفتاری قید اور کردار کی بلندی پر کسی عوامی قیدخانے یا گھر کی چار دیواری کے اندر اور باہر سخت مشقت اور دوسرے قانون کی رو سے قیدی کو باہر کی نوآبادی میں جلاوطن کر

Marfat.com

دینے کی سفارش کی گئی۔

پنٹوویلا - ل بنک۔ ویکفیلڈ اور لیسٹر کے قیدخانوں میں ان تجاویز پر عمل کیا گیا۔ لیکن کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی ۱۸۴۵ء پولینڈ میں ایک نئے قیدخانہ کی سفارش کی گئی۔ جس کی تعمیر ۱۸۴۷ء میں شروع ہوئی۔

(   ) ڈارٹ مور میں پہلے سے ایک قیدخانہ موجود تھا جس میں دس ہزار کے قریب فرانسیسی اور امریکن قیدی موجود تھے۔ تھوڑی سی اصلاح کے بعد یہ جیل خانہ ایک اچھا جیل خانہ بن گیا۔

جارج گرے کی تیسری سکیم اگرچہ بہتر تھی۔ لیکن کوئی نوآبادی ایسی نہ تھی۔ جو مجرموں کو بطور قیدی کے قبول کرتی۔ اور "دین ڈائمن لینڈ" نے تو صاف انکار کر دیا۔ کہ وہ اپنے ملک کی کسی بندرگاہ پر ایسے ملزموں کے جہاز ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیگا۔

۱۸۵۳ء میں پہلا پنیل سروٹیوڈ ایکٹ (PENNEL SERVITUDE Act) بنایا گیا۔ جس کی رو سے سزاؤں میں تخفیف کر دی گئی لیکن اس کا بھی کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ اور جرائم بڑھتے رہے۔

۱۸۶۲ء میں دارالعلوم نے ایک اور کمیٹی منتخب کی اُس زمانہ میں تمام قید خانوں میں قیدیوں سے ایک سا سلوک نہیں ہوتا تھا۔ کہیں کافی خوراک دی جاتی کہیں بھوکوں مارا جاتا۔ بعض جگہ کوٹھڑیاں تنگ و تاریک ہوتیں اور بعض

Marfat.com

جگہ کشادہ۔ قید تنہائی کی مدت ۱۸ ماہ سے گھٹا کر ۹ ماہ کر دی گئی۔ ان حالات میں مسٹر چارلس پیٹرسن ایم۔ پی نے ایک ایسی کمیٹی بنانے کی تحریک کی۔ جو جیل خانوں میں یکساں سلوک کے متعلق غور کر سکے۔ ۱۳ برس گذر جانے کے بعد بھی اس تحریک پر کوئی عملی اقدام نہ کیا گیا۔ آخر ۱۸۷۳ء میں ایک کمیٹی بیٹھی۔ جس نے رپورٹ پیش کی کہ خوراک محنت اور عام ڈسپلن کے لحاظ سے جیل خانوں میں ایک نمایاں فرق پایا جاتا ہے جس کے نتائج غیر یقینی اور سزاؤں کی بے اثری ہوتی ہے۔

۱۸۷۷ء میں پرزن بل (PRISON BILL) بنایا گیا۔ جس کی رو سے تمام جیل خانوں کا انتظام کمشنروں کے سپرد کیا گیا۔ اور آج بھی یہی قانون رائج ہے ۱۸۷۷ء ۱۸۷۸ء کے درمیان بدترین مجرموں کی سزاؤں میں کمی کی گئی اور مشقت کے وقت باتوں کی ممانعت کر دی گئی۔ ۱۸۸۰ء میں اسی قانون کی ایک اور شق وضع کی گئی جس کے مطابق نئے ملزموں کو پرانے ملزموں سے علیحدہ رکھنے کی تجویز کی گئی اور پولیس کی حوالات میں رکھنے کے بعد ملزم کو جیل خانہ میں بھیج دیا جاتا جہاں وہ اپنے مقدمہ کے فیصلے کا انتظار کرتا۔

لندن میں عام رواج تھا۔ کہ کسی ملزم کو تین ماہ سے زیادہ حوالات میں نہیں رہنا پڑتا تھا۔ اگے جیل کر یہ مدت ایک ماہ تک بڑھ گئی۔

دورانِ مقدمہ ملزم اپنے کپڑے پہن سکتا۔ اپنا کھانا کھا سکتا ہے اپنے

Marfat.com

دوستوں اور وکلا سے مل سکتا ہے۔

ہر قیدی کو ایک ماہ تک علیحدہ رکھا جاتا۔ پہلے مہینے وہ لکڑی کے بستر پر سوتا۔ جب اچھے نمبر حاصل کرتا اُس کی خوراک بہتر ہو جاتی۔ تیسرے اور چوتھے دَور میں اُسے دوستوں سے ملنے کی مراعات حاصل ہو جاتیں۔ خطوط کی عام اجازت ہوتی۔

ساٹھ سال کے بوڑھوں اور سولہ سال سے کم عمر بچوں کو اچھے بستر پر سونے کی اجازت ہوتی۔

ملزم دوسرے اور تیسرے دَور میں ۱۰ شلنگ تک کما بھی سکتا تھا۔ مشقت — درزی کا کام۔ جوتے بنانا۔ ٹوکریاں بنانا۔ جلد بندی۔ پرنٹنگ اور دیگر دستکاریوں پر مبنی ہوتی ہے۔ ہر قیدی کو مذہبی معلومات دی جاتی۔ اور اُس کی جسمانی صحت کا خیال رکھا جاتا۔ صفائی کا سختی سے حکم دیا جاتا۔ خوراک ہر جگہ ایک سی ہوتی۔

جب سزا کی مدّت دو سال سے بڑھ جائے۔ تو مجرم کو عادی مجرموں کے جیل خانہ میں ڈال دیا جاتا۔ اس کے تین درجے ہوتے۔ قیدِ تنہائی۔ مشقت اور مشروط رہائی۔ پہلا درجہ چھ ماہ کی مدّت کا ہوتا۔ اب اُس کی مدّت ایک ماہ کر دی گئی ہے۔ ملزم قیدِ تنہائی میں رہتا ہے۔ ورزش کرتا ہے۔ اور گرجا جاتا ہے۔ لیکن اپنے ساتھیوں سے کوئی بات نہیں کر سکتا۔ یہ دور سخت

Marfat.com

تکلیف دہ ہوتا ہے۔ دوسرا دَور ذرا طویل ہوتا ہے۔ اس دَور میں قیدی مشقت دوسروں کے ساتھ مل کر کرتا ہے۔ رات کو علیحدہ ہوتا ہے۔ دوستوں اور رشتہ داروں سے مل سکتا ہے۔ اس نظام کا فائدہ یہ ہوا ہے۔ کہ قیدی میعاد اسیری میں اچھا کاریگر بن کر نکلتا ہے۔ روزانہ کام کا ریکارڈ رکھا جاتا ہے۔ قیدی کی محنت کے ساتھ ساتھ اُس کو خوراک اور رہائش کی مراعات ملتی رہتی ہیں۔ اور اُس کی سزا میں کمی ہوتی رہتی ہے۔

۵ سال کی سزا میں ایک سال اور ۹۱ دن۔ دس سال کی سزا میں ایک سال اور ۲۷۳ دن۔ چودہ سال کی سزا میں تین سال اور ۱۵۷ دن۔ بیس سال کی سزا میں چار سال اور ۲۰ دن کی کٹوتی ہر قیدی کو ملتی ہے۔

عمر قید والے لوگ کسی تخفیف کے حقدار نہیں ہوتے۔ لیکن ۲۰ سال کے بعد اُن کے مقدمہ پر از سر نو غور کیا جاتا ہے۔

ہر سہ رعائتیں لے کر مجرم تیسرے دَور میں داخل ہوتا ہے۔

قیدی رہا تو ہو جاتا ہے، لیکن مشروط طور پر۔ اگر اس حالت میں مجرم کوئی قانون توڑتا ہے۔ تو اس پر پھر سے پابندیاں عائد کر دی جاتی ہیں۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے اقتدار کے بعد ہندوستان میں جیلوں کا باقاعدہ انتظام قائم ہوا۔

Marfat.com

۱۸۳۶ء میں بنگال ۔ مدراس ۔ بمبئی اور سرحد میں دیوانی قیدیوں کے لئے ۶۸ نالیش ۔ فوجداری قیدیوں کے لئے پچھتر ۔ اور عام دوسرے قیدیوں کے لئے ارسٹھ جیلیں بنیں ۔ جن میں ۹۰،۴۲۷ قیدی رکھے جا سکتے تھے ۔ ان دنوں قیدیوں سے سڑکوں کی تعمیر اور آبادی سے دور مکان بنوائے جاتے تھے ۔ یہ مشقت اہم ترین سمجھی جاتی تھی ۔ کیونکہ اس زمانے میں قیدیوں سے مشقت لینے کا کوئی قانون نہیں تھا ۔ اور نہ قیدیوں کے لئے جیلوں میں خوراک کا انتظام تھا ۔ بلکہ سکے کی صورت میں رقم دے دی جاتی ۔ اور سپاہیوں کی نگرانی میں قیدی بازار سے روٹی کا سامان خرید لاتے ۔ ان دنوں سپاہیوں کا قیدیوں پر کوئی خاص اثر نہیں تھا ۔ سپاہیوں کے پاس کوئی ایسا ہتھیار نہیں تھا، جیسے کہ اب ہیں ۔

۱۸۵۴ء اور ۱۹۰۰ء میں پہلا اور دوسرا جیل ایکٹ نافذ کیا گیا ۔ ان قوانین سے جیل کے اندر باقاعدہ نظام قائم کیا گیا ۔ سپرنٹنڈنٹ میڈیکل آفیسر ۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ۔ دربان ۔ قیدی کے فرائض ۔ ڈسپلن ۔ کھانا ۔ کپڑا ۔ بلڈنگ ۔ صحت ۔ بیماریوں کے علاج وغیرہ انہی قوانین کے ذریعے نافذ کئے گئے ۔

۱۹۲۶ء میں ہندوستان کی تمام جیلوں میں انگلستان کی طرح عادی مجرموں کے لئے الگ اور نئے مجرموں کے لئے الگ جیلیں تعمیر

Marfat.com

کی گئیں۔

چنانچہ نیو سنٹرل جیل ملتان اور گجرات کی سپیشل جیل اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ منٹگمری جیل جسے قیدیوں کی زبان میں ساہیوال کی جیل کہا جاتا ہے۔ عادی مجرموں کے لئے وقف ہے۔ اسی طرح ملتان نیو سنٹرل جیل میں میعادی قیدی رکھے جاتے ہیں۔

— ۲ —

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ جیل خانے کی عمارت کا محل وقوع آبادی سے دور ایسی جگہ واقع ہوتا ہے، جہاں زمین ریتلی یا خشک ہو۔ سطح زمین سے چار پانچ فٹ گہرائی پر اس کی نیو اٹھائی جاتی ہے۔

پہلا بڑا دروازہ لوہے کا ہوتا ہے۔ اگلے وقتوں میں دوسرا دروازہ عام طور پر لکڑی کا یا لوہے کی سلاخوں کا ہوتا تھا۔ لیکن اب یہ بھی لوہے کا بنا دیا گیا ہے۔ ان دونوں دروازوں کے درمیان کا حصہ ڈیوڑھی کہلاتا ہے۔ اور یہاں حکام کے دفاتر ہوتے ہیں۔

ڈیوڑھی میں درمیان کی ڈیوٹی ہوتی ہے۔ پولیس سے مجرم یا ملزم یہیں وصول کئے جاتے ہیں۔ قیدی کی تلاشی لینے کے بعد اس کے جرم کا اندراج کیا جاتا ہے۔ پھر اسے جیل کے اندر لے جانے کے لئے نمبردار کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ وہ اسے چکر میں لے جاتا ہے۔ چکر جیل کے

Marfat.com

وسط میں قریباً ۵۰ فٹ اونچی گول عمارت ہوتی ہے۔ جس پر ہر وقت ایک قیدی پہریدار رہتا ہے۔ تمام جیل اس قیدی کی نظر میں ہوتی ہے۔ جیل کے منشی اور ہیڈ وارڈر اپنے عملہ سمیت یہیں بیٹھتے ہیں۔

منشی تعلیم یافتہ اور معیاری قیدی کو بنایا جاتا ہے۔ وہ ہر آنے جانے والے قیدی کا نام درج کرتا ہے۔ اگر آنے والا قیدی ہو تو اسے قیدیوں کی بیرک میں بھیجتے ہیں۔ اور حوالاتی کو حوالاتیوں کی بیرک میں۔

دوسرے دن قیدی اور حوالاتی ڈاکٹر کے سامنے معائنہ کے لئے پیش کئے جاتے ہیں۔ جو ان کی موجودہ صحت اور وزن کا جائزہ لیتا ہے۔ قیدی ہو تو اسی وقت اس کی مشقت اس کی صحت کے مطابق تجویز کر دی جاتی ہے۔ حوالاتی کو معائنہ کے بعد اس کی بیرک میں واپس بھیج دیا جاتا ہے۔

گو جیل کا قانون ہے کہ ہر آنے والے قیدی یا حوالاتی کو دس دن کے لئے تنہائی کی ٹھڑی میں بند رکھنا ضروری ہے۔ مگر آئین کے اس حصہ پر کم عمل ہوتا ہے۔

جیل میں مختلف وارڈ ہوتے ہیں۔ بعض جیلوں میں بیرکیں کم اور تنہائی کی کوٹھڑیاں زیادہ اور بعض میں اس کے برعکس انتظام ہوتا ہے۔

جیل کی زبان میں ان وارڈوں کو احاطے کہتے ہیں۔ ہر احاطہ میں

Marfat.com

الگ الگ قسم کے قیدی رکھے جاتے ہیں۔

جن پر عدالت میں ابھی کوئی جرم ثابت نہیں ہوا وہ حوالاتی کہلاتے ہیں۔ جن کی سزائیں طویل ہوتی ہیں، ان کے لئے جدا بیرکیں ہوتی ہیں۔

جن کی سزا سال سے کم ہو۔ اور وہ اپنی سزا کا تیسرا حصہ شرافت سے کاٹ چکے ہوں۔ تو ان کے پاؤں میں لوہے کا کڑا پہنا کر جیل سے باہر کام کرنے کے لئے بھیج دیتے ہیں۔ انہیں باہر کا پنجہ کہتے ہیں۔ یہ قیدی جیل کے متعلقہ افسران کے گھروں میں اور دیگر جگہوں پر مثلاً کھیتی باڑی۔ باغبانی وغیرہ کے کاموں پر لگائے جاتے ہیں۔ دن بھر کام کرنے کے بعد سرِ شام پھر انہیں جیل واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ اور یہ الگ بیرک میں بند ہوتے ہیں۔

اکثر قیدی جیل کے کارخانے میں کام کرتے ہیں۔ کچھ قیدی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی مشقت دن بھر جیل کی صفائی ہوتی ہے انہیں "مشقتی" کہتے ہیں۔ ان میں جھاڑو مار۔ حجام۔ دھوبی وغیرہ شمار ہوتے ہیں۔ ان سب کی حاضری صبح و شام چکر میں یا پھر اپنی اپنی بیرک میں ہوتی ہے۔

نابالغ مجرموں کے لئے انتظام علیحدہ ہوتا ہے۔ اسے بچہ خانہ کہتے ہیں۔ اس احاطہ کا انچارج عمر رسیدہ وارڈر یا نمبردار ہوتا ہے۔

عورتوں کے لئے زنان خانہ کا انتظام ہے۔ اس کی منتظمہ ایک

Marfat.com

بوڑھی عورت ہوتی ہے۔ اس کمرہ میں سپرنٹنڈنٹ یا ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے علاوہ کوئی مرد قیدی یا سرکاری ملازم داخل نہیں ہو سکتا۔

ہر احاطہ کے ارد گرد تقریباً ۵ فٹ اونچی دیوار ہوتی ہے۔ اس دیوار کے آگے لوہے کا دروازہ ہوتا ہے۔ جو ہر وقت مقفّل رہتا ہے۔ تمام دروازوں کا رُخ چکّی کی طرف ہوتا ہے۔

Marfat.com

لباس

موسم گرما

پنجاب کی جیلوں میں ہر قیدی کا لباس مخصوص کپڑے کا ہوتا ہے۔ یہ کپڑا جیلوں کے کارخانوں میں قیدی تیار کرتے ہیں۔ ان میں نیلے رنگ کی دو دھاریاں ہوتی ہیں۔ موٹا گاڑھے کا نیم آستین والا کرتہ۔ پاجامہ بھی، اسی کپڑے کا بنایا جاتا ہے۔ ایک ٹوپی۔ ایک چادر۔ رومالی اور پرنا اس کے علاوہ ہوتے ہیں۔

موسم سرما

کرتہ۔ پاجامہ۔ پرنا۔ چادر۔ رومالی۔ ٹوپی۔ کمبل تین عدد۔ ایک کوٹ جو کمبلوں کا بنایا جاتا ہے۔ اور لکڑی کے بٹن۔ جیسے جیسے سردی

Marfat.com

بڑھتی ہے قیدی کے کمبلوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ سردی کے جوان موسم میں ہر قیدی کے پاس چھ کمبل ہوتے ہیں۔ یہ تمام لباس چھ ماہ کے لئے دیا جاتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی پھٹ جائے، یا گم ہو جائے۔ تو اس کی اطلاع متعلقہ افسروں کو دینی پڑتی ہے۔

چوتھائی قید کاٹنے پر قیدی کو ایک نشانِ نگرانی جس کو بلّہ کہتے ہیں دیا جاتا ہے۔ اس کے لباس میں پگڑی۔ شلوار اور سفید قمیص، سیٹی کے اضافے کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ یہ بلّے والا نمبردار کہلاتا ہے۔ کچھ مدّت گزرنے پر کالی وردی دی جاتی ہے۔ پگڑی۔ کرتہ اور شلوار کالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہ کالی والا نمبردار کہلاتا ہے۔ چھ ماہ بعد پیلے رنگ کے کپڑے پہنا دئے جاتے ہیں۔ اور یہ پیلی والا کہلاتا ہے۔

یہ تینوں مختلف رنگ کے قیدی جیل میں امتیازی حیثیت کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کی سزا میں کافی تخفیف ہوتی ہے۔ پیلی والا مہینے کے پندرہ دن کاٹتا ہے۔ کالی والا مہینے کے بائیس دن۔ اور بلّے والا چوبیس دن۔

باقی عام قیدیوں کو مہینے میں دو دن معافی ملتی ہے۔

ایک اور لباس بھی کبھی کبھار دیکھنے میں آتا ہے۔ یہ ہے سُرخ رنگ کا لباس جو قیدی جیل کی چار دیواری پھاند کر فرار ہو جائے۔ لیکن دوبارہ

Marfat.com

پکڑا جائے اور پھر جیل میں لایا جائے۔ تو اُسے سر سے پاؤں تک سُرخ کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں۔

اگر کوئی انگریز مُجرم بن کر آئے۔ تو اس کے لباس میں کوٹ پتلون۔ کالر۔ ٹائی۔ رات کو سونے کا لباس۔ ایک جوڑا بوٹ۔ ایک جوڑا جراب۔ تین سوتی قمیص۔ سر کے لئے ہیٹ۔ کنگھی۔ تولیہ۔ صابن اور پلنگ۔ اشیائے ضروری میں شامل ہوتے ہیں۔

پاکستانی قیدی کے بستر میں ایک تپڑی جو مونج کی رسی سے بنی ہوئی ہوتی ہے۔ ایک دری جس کا طول و عرض ساڑھے پانچ فٹ ہوتا ہے۔ یہ تمام اشیاء جیلوں میں قیدیوں کی خود ساختہ ہوتی ہیں۔

ٹاٹ کی وردی بھی گستاخ قیدیوں کے لئے ہے۔ یہ وردی گرمی کے موسم میں قیدی کو بڑی تکلیف دیتی ہے۔

قیدیوں کا یہ لباس برس ہا برس تک رہا ہے۔ لیکن اب اکثر لباس میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔ مثلاً کالے اور پیلے کا لباس اب جیلوں میں بہت کم دیکھنے میں آتا ہے۔ ان کی جگہ نمبرداروں کو اب سُرخ رنگ کی فوجی قسم کی ٹوپی پہننے کو دی جاتی ہے۔ اور عادی مجرموں کو جنہیں جیل کی زبان میں دوبارہ قیدی کہتے ہیں۔ پیلے رنگ کی عام ٹوپی دی جاتی ہے۔

Marfat.com

برتن

جیسے جیسے زمانہ گزرتا جا رہا ہے ہر چیز میں تبدیلی آتی جا رہی ہے۔ ۱۹۳۰ء سے پہلے جیل خانوں میں لوہے کے برتن استعمال ہوتے تھے لیکن گزشتہ برسوں سے لوہے کی جگہ مٹی۔ ایلومینیم اور پیتل نے لے لی ہے۔

۱۹۳۰ء میں بورسٹل جیل کے قیدیوں کو المونیم کی تھالی اور پیالہ دیا جاتا تھا۔ لوہے کی باٹیاں بھی استعمال ہوتی تھیں۔ لنگر میں جہاں قیدیوں کا کھانا پکتا تھا۔ لوہے کے بڑے بڑے ڈرم استعمال میں لائے جاتے تھے۔ جن کے سبب سے کھانے کی رنگت سیاہ ہو جاتی تھی۔ اور قیدی کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا تھا۔ لیکن اب پیتل اور تانبے کی دیگیں استعمال ہونے لگی ہیں۔ گو انہیں برسوں تک قلعی نہیں کرایا جاتا، تاہم کام

Marfat.com

دے رہی ہیں۔

عام قیدیوں کو مٹی کے پیالے اور ایلومینیم کی تھالیاں دی جاتی ہیں۔ پانی کے لئے مٹی کی گھڑیاں قیدیوں کے پاس ہوتی ہیں۔ بعض کو یہ گھڑیاں جیل کی طرف سے مل جاتی ہیں۔ اور اچھے قسم کے قیدی یہ برتن بھی گھر سے منگوا لیتے ہیں۔

Marfat.com

خوراک

آج دنیا میں سب سے اہم مسئلہ خوراک کا ہے۔ حاکم اور محکوم دونوں اس کشتی میں برابر کے سوار ہیں۔

آزاد فضا میں سانس لینے والے ایک دوسرے کو گُرگ آسا نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ایک ملک دوسرے کے خلاف سنگین تانے کھڑا ہے۔ جب بااختیار لوگوں کا یہ حال ہو۔ تو قیدیوں کی خوراک کا سوال اتنی اہمیّت کیوں نہیں رکھتا؟

مجبور اور پابندِ سلاسل لوگوں کا یہ گروہ جن کے جسم کا رُواں رُواں ایسے لوگوں کے بس میں ہو۔ جو زندگی اور موت دونوں پر اختیار رکھتے ہوں۔ کس طرح بہتر خوراک حاصل کر سکتا ہے۔

Marfat.com

۱۹۳۰ء سے قبل جیل خانوں میں درختوں کے پتے اور آٹے کا چھان قیدیوں کی خوراک میں شامل تھے۔ پھر ذرا ترقی ہوئی۔ تو ان میں چنوں کا آٹا شامل کر دیا گیا۔ چنوں ملی روٹی جب قیدی کے ہاتھ پر آتی تھی تو چھوٹی سی رہ جاتی تھی، باقی زمین پر گر جاتی تھی صرف جیل کے ہسپتالوں میں بیمار قیدیوں کو گندم کی روٹی دی جاتی تھی۔

اتوار کے دن عام قیدیوں کو گندم کی روٹی اور چنوں کی دال دی جاتی تھی۔ عام طور پر سبزی میں بھی درختوں کے "پتے" استعمال ہوتے تھے۔

۱۹۳۰ء میں پہلی مرتبہ راقم کو جیل جانا پڑا۔ اُس زمانے میں قیدیوں کو گندم کی روٹی ملتی تھی۔ اور گذشتہ سالوں کی سوکھی ہوئی سبزی کی بھاجی۔ شلغم جب اپنا موسم چھوڑ چکتے۔ اور ان میں جالی پڑ جاتی تھی۔ یہ موسم شلغموں کے اُس موسم میں داخل ہے۔ جب ڈھور ڈنگر بھی ان سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ تب جیل والے انہیں ٹکڑے کر کے دھوپ میں ڈال دیتے تھے۔ اور دوسرے سال قیدیوں کو دئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ کدو اور ساگ کی سبزی بھی عام استعمال میں آتی۔ ساگ میں مولی اور شلغم کے پتے عام پکائے جاتے تھے۔ اور کبھی کبھار خشک آلو بھی ملتے تھے۔

صبح کے وقت دال ملتی تھی جس میں ارہر کی دال۔ مسور اور ماش

Marfat.com

کی دال اتوار کے دن اور چنوں کی دال عام پکتی تھی۔ چنے اور گڑ تو ہر موسم میں ملتا ہے۔ اور دلیا صرف بیمار قیدیوں کو ڈاکٹر کی سفارش پر ملیسر آتا تھا۔ اس دور میں بورسٹل جیل کے قیدیوں سے امتیازی سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ چونکہ اُن دنوں قیدیوں کو ایک روپیہ چار آنے ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اس میں سے چار آنے ماہوار وضع کر لئے جاتے تھے۔ اور اُس کی مٹھائی یا مصری دی جاتی تھی۔ باقی رقم قیدی کے حساب میں جمع ہو جاتی۔ اور رہائی کے وقت اُسے دی جاتی تھی۔

تہواروں پر قیدیوں کے لئے کوئی امتیازی کھانا نہیں پکتا تھا۔ اُس زمانے میں دونوں وقت کی خوراک کی قیمت تین آنے پڑتی تھی۔ اور آج قیدی کی خوراک ۹ آنے کے قریب ہے۔ مثلاً:۔

آٹا	(دونوں وقت)	دس چھٹانک
دال	〃 〃	آٹھ 〃
لکڑی	〃 〃	آدھ سیر
نمک مرچ مصالحہ	〃 〃	(حسبِ ضرورت)
سبزی	〃 〃	دو چھٹانک
تیل برائے سبزی	〃 〃	۲½ 〃
گڑ	(شام کے وقت)	ایک 〃

Marfat.com

دیا (صبح ہفتہ میں چار دن)
چنے (صبح ہفتہ میں تین دن)
گوشت گائے (ہفتہ میں دو دن)

حوالاتی کی خوراک

آٹا	(دونوں وقت)	آٹھ چھٹانک
دال	〃 〃	۲½ تولہ
تیل	〃 〃	〃 ۲½ 〃
چنے	(صبح)	ایک چھٹانک
گڑ		

یہ خوراک پہلے سے بہتر ہے۔ اور پہلے سے بہتر پکتی ہے۔ ہفتہ میں دو دن گوشت کبھی پلاؤ کی صورت میں اور کبھی صرف شوربا پکتا ہے۔ تنور کی اچھی پکی ہوئی دو روٹیاں ملتی ہیں۔ صبح کو دو سبزیاں۔ شام کو دال۔ مگر اب ارہر کی دال کی جگہ مونگ کی دال ملتی ہے۔ باقی وہی سلسلہ ہے۔ یعنی ماش کی دال۔ مسور کی دال اور اتوار کو چنے کی دال۔ عید کے تہوار پر قیدیوں کیلئے سوّیاں، اُن کے حصّے کا گڑ ڈال کر پکائی جاتی ہیں۔ اور قیدی عید کی خوشی میں یہ سرکاری تحفہ قبول کرتا ہے۔

سبزی میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ حالانکہ جیل سے باہر کھیتوں

Marfat.com

میں قیدی کاشت کرتا ہے۔ قیدی ہل چلاتا ہے۔ قیدی اس کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ لیکن جب سبزی تیار ہوتی ہے۔ تو حکام جیل اور دیگر ملازم اس پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ اور غریب قیدی کو اُس وقت سبزی کھانا نصیب ہوتی ہے۔ جب ڈھور ڈنگر لسے کھلنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور پھر یہ سبزی اُس ٹوکے سے کاٹی جاتی ہے۔ جس سے بیلوں کے لئے چارہ کاٹا جاتا ہے۔

آج ہر قیدی اپنے گھر سے معیّن مقدار میں گھی۔ چینی۔ شکر اور گڑ منگوا سکتا ہے۔ تیل سرسوں اور صابن ہمہ اقسام بھی اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ لیکن پیشتر ازیں یہ اشیاء جیل میں جُرم سمجھی جاتی تھیں۔ اگر کسی قیدی کے پاس ان کا ثبوت مل جاتا۔ تو اُس کے جسم کی چمڑی اس طرح فضاء میں رقص کرتی۔ جس طرح دُھنیا روئی دُھنتا ہے۔

آج بھی بعض ریاستیں اپنے قیدیوں سے وہی سلوک کرتی ہیں۔ جسے زمانہ برسوں پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ ریاستوں میں قیدی دن بھر کاٹھ مارے رہتے ہیں۔ اور شام کو اپنے لئے گاؤں سے روٹی مانگ لاتے ہیں۔

یورپ نے اپنی ترقی کے ساتھ جیل خانوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ وہاں کے عام قیدیوں کی خوراک دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔

Marfat.com

ہر روز صبح ناشتہ میں دلیا پائے اور چھ اونس ڈبل روٹی
اتوار کے دن گوشت (گائے)
سوموار کے دن گوشت (سؤر) سبزی اور روٹی
منگل تا جمعرات ۔ سبزی (ہمراقسام) اور روٹی۔
جمعہ کے دن ۔ ثابت گوشت (ران کی قسم) شوربا والا۔
ہفتہ کے دن ۔ قیمہ اور روٹی۔
ان کے علاوہ آلو کی سبزی ہر روز ملتی ہے۔
لیکن ہمارے ہاں غریب قیدی کو جو خوراک ملتی ہے۔ اگر وہی دیانت داری کے ساتھ ملتی رہے تو غنیمت ہے۔ مگر حکامِ جیل کا پیٹ ہی اتنا بڑا ہے۔ کہ اُس سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ قیدی کی خوراک سے سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی بھینسیں۔ ڈاکٹر کی بھینس اور دیگر ملازموں کی گائیں، اور وارڈروں کی بکریاں اپنا پیٹ پالتی ہیں۔ گھر کی تمام ضروریات روزانہ زندگی میں استعمال آنے والی چیزیں۔ لکڑی۔ آٹا۔ سبزی۔ گھی۔ تیل یہ سب کچھ قیدی کے راشن سے کاٹ کر متعلقہ حکام کے گھر جاتے تھے۔ قیدی کے لئے اُبلی ہوئی دال ہی غنیمت ہے جس سے وہ پیٹ کا دوزخ بھرتا ہے۔ اس پر بھی جو سلوک قیدی کے ساتھ ہوتا ہے انسانیت کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

Marfat.com

سزا

بیس پچیس برس پیچھے مڑ کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیل خانوں میں قصاب بستے تھے۔ اور یہاں انسانوں کو بھیڑ، بکری کی طرح ذبح کیا جاتا تھا۔ اور اس پر تاکید یہ تھی۔ کہ ؎

"گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے"

اگر آواز ذرا اونچی ہوئی، تو سپرنٹنڈنٹ صاحب اور داروغہ ناراض ہو جائیں گے۔ ان کی ناراضگی خدا کے ناراض ہو جانے کے مترادف تھی۔

یہ واقعہ ہے کہ جیل خانے میں سپرنٹنڈنٹ دوسرا خدا ہوتا تھا

Marfat.com

اور آج بھی ہے۔

جیل میں تشدّد کی تاریخ کاغذ پر نہیں، وہاں کے در و دیوار پر کندہ ہے۔ مؤرخ چاہے تو آج بھی اُسے اندھی اور بہری دیواروں کے سائے شہادت دیں گے۔ کہ یہ زمین صدیوں سے انسانی تذلیل کا گہوارہ چلی آرہی ہے۔

Marfat.com

قیدیوں کی مشقّت

بان بٹنا۔ مونج کوٹنا۔ بیت کی کُرسیاں بُننا۔ چرخہ کاتنا۔ کولہو چلانا۔ خراس چلانا۔ غالیچہ بُننا۔ کپڑا بُننا۔ دری بُننا۔ جگاٹی (پرانے دفتری کاغذوں کا ملیدہ) کرنا۔ روٹی پکانا۔

البتہ بورسٹل جیل میں ایک ورکشاپ ایسا ہے۔ جس میں درزی۔ لوہارہ۔ رنگریزی۔ دھوبی۔ پرنٹنگ وغیرہ کا کام کم عمر قیدیوں کو سکھایا جاتا تھا۔

اگرچہ ان میں سے اکثر مشقتیں آج ختم کی جا چکی ہیں۔ تاہم جو باقی ہیں، ان سے نہ تو قیدی کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور نہ حکومت کو فائدہ۔ بہرحال دونوں اپنا اپنا وقت پاس کرتے ہیں، اور بس۔

Marfat.com

لیکن یہاں تک قیدی کے قصوروار ہونے کا تعلق ہے۔ عدالت کی سزا کے علاوہ جیل حکام اُسے الگ اپنی سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ جو قیدی مشقّت سے انکاری ہو۔ اُس کے لئے حسب ذیل سزاؤں میں سے کوئی سی سزا تجویز کی جاتی ہے :۔

۱۔ چکّی پیسنا
۲۔ تنہائی کوٹھڑی
۳۔ بیڑی
۴۔ ڈنڈا بیڑی
۵۔ کھڑی ہتھکڑی
۶۔ ٹاٹ وردی
۷۔ اور آخری سزا ٹکٹکی سے باندھ کر بید زنی۔

یہ تمام سزائیں برداشت کرنے والا قیدی حکام جیل کی نظر میں ایک عجوبہ شے سمجھا جاتا ہے۔ بالخصوص عام قیدی اُس کے لئے عزت اور خوف کے ملے جُلے جذبات رکھتے ہیں۔ وہ نہ تو کوئی مشقت کرتا ہے اور نہ کوئی اُسے کام ہی دیا جاتا ہے۔ وہ تمام دن جیل خانہ کی زمین اپنی آوارگی سے روندتا پھرتا ہے۔ شام و صبح اچھی خوراک کھاتا ہے اور اچھا لباس پہنتا ہے۔ گو بظاہر اُس کا لباس اُسی کپڑے کا ہوتا ہے۔ جو عام قیدی پہنتے ہیں۔

Marfat.com

آفیسرز

جیل خانے کا نظام بہت سے آفیسروں پر مشتمل ہوتا ہے :-

سپرنٹنڈنٹ

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ

اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ

ہیڈ وارڈر

وارڈر

نمبردار (یہ قیدی ہوتا ہے)

بیرونی آفیسر

وزیر جیل خانہ جات

Marfat.com

ہوم سکرٹری صوبہ گورنمنٹ
ڈپٹی ہوم سکرٹری صوبہ گورنمنٹ
انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات

آخر الذکر آفیسر جیل کی اصطلاح میں آئی۔جی یا عام قیدیوں کی زبان میں جرنیل کہلاتا ہے۔

صوبہ کی تمام جیلوں کے سپرنٹنڈنٹ آئی۔جی کے تحت ہوتے ہیں۔اور آئی۔جی ہوم سکرٹری صوبہ گورنمنٹ کے تحت ہوتا ہے۔

سپرنٹنڈنٹ کا عہدہ پہلے انگریزوں کے پاس ہوتا تھا لیکن آہستہ آہستہ یہ ذمہ واری پاکستانی آفیسروں کے سپرد کی گئی۔ "سب" جیلوں کا سپرنٹنڈنٹ عام طور پر ضلع کا مجسٹریٹ ہوتا ہے۔ اور ڈسٹرکٹ جیل میں یہ عہدہ میڈیکل سول سرجن کے پاس ہوتا ہے۔تاکہ قیدیوں کی صحت کی ذمہ واری بھی سنبھال سکے۔لیکن سنٹرل جیل کا سپرنٹنڈنٹ کسی کہنہ مشق آفیسر کو لگایا جاتا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ ایک قسم کا خدا ہوتا ہے۔اُس کے اختیار میں اس قدر وسعت ہوتی ہے۔کہ وہ ایک قیدی روزانہ رہا کرسکتا ہے۔یا ایک مہینہ سزا میں تخفیف کرسکتا ہے۔

سپرنٹنڈنٹ ہفتہ میں ایک دن جیل کے ہر احاطہ کا دورہ

Marfat.com

کرتا ہے۔ اُس دن قیدی اپنے کپڑے اور متعلقہ برتن صاف کر کے قطار اندر قطار کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جس قیدی کو سپرنٹنڈنٹ سے کوئی سوال کرنا ہو وہ دونوں ہاتھ سامنے کر کے اپنی جگہ بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ قیدی کوئی مطالبہ کرنا چاہتا ہے۔ پیشتر یہ رواج نہیں تھا۔ بلکہ جس قیدی کو سوال کرنا ہوتا تھا۔ وہ کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور سپرنٹنڈنٹ اس قیدی کے سامنے رُک جاتا تھا۔ مگر اس طرح بعض قیدیوں کے ہاتھوں تقسیم سے قبل اکثر سپرنٹنڈنٹ زخمی ہو چکے ہیں۔ اس بناء پر موجودہ طریقہ رائج کیا گیا۔

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ

یہ عہدہ شروع سے پاکستانی آفیسروں کے پاس رہا ہے۔ اس کی ذمہ واری سپرنٹنڈنٹ سے کہیں زیادہ ہے لیکن تنخواہ کم۔

جیل کے اندرونی نظام کی دیکھ بھال اسی کے سپرد ہوتی ہے۔ ہر شام قیدیوں کو بند کرنا اور ہر صبح کھولنا اسی کے فرائض میں ہوتا ہے۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پندرہ دن تک قیدی کو معافی بھی دے سکتا ہے۔ اس عہدہ کی ایک مخصوص وردی ہوتی ہے۔

ہیڈ وارڈر

یہ عہدہ عام طور پر پُرانے اور تجربہ کار وارڈر کو دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

جیل کے اندرونی نظم ونسق کے سنبھالنے میں یہ عہدہ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کا معاون ہوتا ہے۔

وارڈر

یہ عام ملازم ہوتا ہے جیسے سپاہی۔ یہ دن میں چھ گھنٹے نوکری دیتا ہے۔

نمبردار

قیدیوں میں سے ایسے قیدی کو یہ عہدہ ملتا ہے۔ جو اپنی قید کا چوتھائی حصہ نیک چلنی سے گزار چکا ہو۔ اس کی کوئی تنخواہ نہیں ہوتی۔ لیکن عام قیدیوں سے اس کی معافی زیادہ ہوتی ہے۔

الارم

مصائب کی اس محدود دنیا میں بھی لوگ آپس میں دست و گریباں ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی پگڑی اچھالتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے خلاف افسانے تراشتے ہیں۔

فساد کی بنا کبھی تو قیدیوں کی اخلاقی گراوٹ ہوتی ہے۔ اور کبھی حکام جیل کی زیادتی۔

بعض اوقات تو باہر کے جھگڑے اندر وجہ نزاع ثابت ہوتے ہیں جس کی بنا پر لڑائی کا امکان ہوتا ہے۔ لیکن جیل کے حکام نے نمبردار

Marfat.com

اور وارڈروں کو وردی کے ساتھ سیٹی بھی دے رکھی ہے۔ یہ سیٹی ہر وقت ان لوگوں کی جیب میں ڈوری سے بندھی رہتی ہے۔ اگر کسی وقت کسی احاطہ میں لڑائی جھگڑے کا خدشہ ہو۔ تو ڈیوٹی پر کھڑا نمبردار یا وارڈر فوراً سیٹی بجاتا ہے۔ اس کی آواز جہاں کہیں جس کسی نمبردار یا وارڈر کے کان میں پہنچتی ہے۔ وہ وہیں سے سیٹی بجانا شروع کر دیتا ہے۔ ان آوازوں پر چکر سے الارم بجتا ہے۔ عین اُسی وقت ڈیوڑھی سے باہر کے الارم کی آواز آتی ہے۔ اس وقت جیل میں عجیب سماں ہوتا ہے۔ خوف و ہراس، جوش و انتقام ہر قیدی کے چہرے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے جذبات سے متاثر قیدی کان اور آنکھیں محل وقوع کی طرف لگا کر نتیجہ کے منتظر رہتے ہیں۔

قیدی اپنی اپنی بیرکوں میں بند کر دیئے جاتے ہیں۔ سپرنٹنڈنٹ سمیت تمام عملہ لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مسلح ہو کر جائے واردات پر پہنچ جاتا ہے۔ اور بلا امتیاز قیدی ہو کہ حوالاتی، گنہ گار ہو کہ بیگناہ سب کی پٹائی شروع ہو جاتی ہے۔ سب ایک ہی ڈنڈے سے ہانکے جاتے ہیں۔ یہ اقدام اُس وقت جیل کے امن کو بحال کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ ایسے ہنگامے میں اگر کوئی موت واقع ہو جائے۔ تو اُس کی ذمہ داری حکام جیل پر نہیں ہوتی۔ اس قسم کا اقدام قیدیوں کی جیل سے فراری کے وقت بھی کیا جاتا ہے۔

Marfat.com

جیل کی تاریخ میں ایسے واقعات بھی ہیں۔ کہ اگر کسی قیدی سے حکام تنگ آچکے ہوں، تو اس سے نجات کے لئے موقعہ کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور موقعہ ملنے پر قیدی کو سپاہیوں کے ہاتھوں موت کی آغوش میں پھینک دیا جاتا ہے اور پھر چپکے سے اسے کورٹ موقع کے قریب ڈال کر الارم کر دیا جاتا ہے اس سے یہ ثابت کرنا ہوتا ہے۔ کہ یہ دیوار پھاند کر فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ تقسیم ملک سے قبل ایسے اکثر واقعات سننے میں آتے رہے۔

جیل کی دنیا میں الارم کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اور سپرنٹنڈنٹ اس کے لئے جواب دہ ہوتا ہے۔ کوئی واقع اگر ایسا ہو جائے کہ الارم کرنا پڑے تو حکام جیل کی کوشش ہوتی ہے۔ کہ اس چنگاری کو ہوا دینے کی بجائے دبا دیا جائے۔ تاکہ حکام بالا سے جیل کی بدانتظامی کو چھپایا جائے۔

بدمعاشی

شہر یا محلہ میں ایک چور بستا ہو تو وہاں کے لوگ اس سے تنگ آ جاتے ہیں۔ مگر جیل خانہ تو سارا گاؤں چوروں کا ہے۔ یہاں پرانے اور پرانے چور ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں ایک سے ایک بڑھ کر چور یہاں تعذیر کے چکر میں۔ تدبیر کے بل پر قید کے دن گن رہا ہوتا ہے باوجود اس کے وہ اپنے کام کی مشق جاری رکھتا ہے۔

اس چار دیواری میں روٹی کے سوا ہر چیز ناجائز ہے۔

Marfat.com

مرچ
نمک
پیاز
لہسن
سگریٹ
افیون
چرس
بلیڈ
گھر کا کپڑا!
نقدی
گھی
شکر
چینی
آئینہ
کنگھی
خالی بوتل (کسی قسم کی ہو)
اخبار.....کتاب

Marfat.com

یہ وہ چیزیں ہیں جو انسانی زندگی میں کسی نہ کسی موڑ پر کام آتیں ہیں۔ ان میں اکثر تو ایسی ہیں جن کے بغیر آدمی ایک قدم نہیں چل سکتا۔ لیکن جیل قانون کی نظر میں یہ سب اشیاء بدمعاشی میں شمار ہوتی تھیں۔ ان میں سے ایک چیز بھی اگر کسی قیدی کے پاس پائی جاتی تھی تو وہ سزا کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج ان میں سے اکثر کی اجازت قیدیوں کو مل چکی ہے۔ لیکن جب یہ سب کچھ خلاف قانون تھا تب بھی قیدیوں کے پاس یہ سب کچھ موجود ہوتا تھا۔

Marfat.com

جیل کی اصطلاحات

ہر ملک کی اپنی ایک زبان ہے۔ اور ہر زبان کے چند محاورے۔ استعارے یا اصطلاحیں ہوتی ہیں۔ ادب خواہ کسی زبان کا ہو۔ ان تینوں کے بغیر اس کی جامعیت سے انکار کرنا پڑے گا۔

ہمارے ہاں روزمرہ کی بول چال میں ایسے الفاظ غیر ارادی طور پر بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ کاروباری ماحول کے بھی چند مخصوص جملے ہیں دفاتر کی بھی ایک زبان ہے۔ شرابی اور جواریے بھی آپس کی گفتگو میں جن الفاظ کا تبادلہ کرتے ہیں۔ انمیں بھی اکثر زبان کے محاوروں کا استعمال ہوتا ہے اسی طرح جیل خانہ بھی ایک بستی ہے۔ یہاں کے بھی چند محاورے ہیں۔ گو الفاظ کی کمی ہے تاہم اس محدود ماحول میں مخصوص محاورے، اصطلاحوں کا استعمال بھی

Marfat.com

صبح سے شام تک بیلے محا با ہوتا ہے۔ مثلاً :-

"سب اچھا"

رات کو چکر سے نمبردار جیل کی تمام بیرکوں کے نام لے کر آواز دیتا ہے۔ جواب میں آواز آتی ہے "سب اچھا" (سب ٹھیک ہے)

عام طور پر جیل میں جب قیدی، قیدی سے سر راہ ملتا ہے تو السلام علیکم کی بجائے "سب اچھا ہے" دوسرا جواب میں "سب اچھا" ہی کہتا ہے۔ آفیسر بھی کسی قیدی کو سر راہ خیریت پوچھتا ہے کیوں بھئی "سب اچھا ہے" جواب ملتا ہے "سب اچھا ہے"

پکار

سر شام جیل کی گنتی کے فوراً بعد چکر سے نمبردار تمام بیرکوں کے نام لے کر پکارتا ہے۔ یہ پکار شام سات بجے سے صبح چھ بجے تک جاری رہتی ہے۔

خدا باہر کی کھلائے

یہ دعائیہ فقرہ ہے۔ قیدی جب کھانا کھا رہا ہو۔ اور کوئی دوسرا قیدی آجائے اور اُسے کھانے کی دعوت دے۔ تو جواب میں دوسرا قیدی کہتا ہے خدا آپ کو باہر کی کھلائے۔ یعنی جلدی رہائی ملے۔

شیر پنجہ

جب کوئی بھنگی قید ہو کر جیل میں آتا ہے تو اس کی مشقت لکھتے

Marfat.com

وقت کہتے ہیں۔ اسے شیر پنجہ میں لگاؤ۔ یعنی بھنگیوں کے کام پر ——
نیا آدمی لفظِ شیر پنجہ سن کر گھبرا جاتا ہے۔

دوباریاں مارنا لے، (کیا فریب دیتا ہے)

چونکہ عادی مجرم چالاک اور ہوشیار ہوتا ہے وہ جیل کی تمام حرکات سے واقفیت رکھتا ہے۔ وہ اپنے بچاؤ کی تدبیریں سوچتا رہتا ہے بات بات پر وہ چارسو بیس کرتا ہے۔ اس لئے اسے "دوبارہ" کہتے ہیں۔ لیکن عام قیدی بھی جب کوئی ایسی حرکت کرتا ہے۔ تو دوسرے قیدی کہتے ہیں۔ "کی دوباریاں مارنا ایں"

پریڈ

شاید آپ یہ خیال کریں کہ پریڈ سے مراد وہی حرکات وسکنات ہیں جو فوجیوں سے کرائی جاتی ہیں۔ مگر نہیں۔ جیل میں پریڈ سے مراد سوموار (پیر) کا وہ دن ہوتا ہے۔ جب سپرنٹنڈنٹ بمعہ اپنے عملے کے جیل کا چکر لگاتا ہے۔ اس دن عام قیدی اپنے بستر، اپنے برتن اپنے کپڑے اجلے صاف اور باترتیب اپنے سامنے رکھ کر قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں ان کے ہاتھ میں ان کا نامہ اعمال (جیل ٹکٹ) ہوتا ہے۔ جس پر اس کے مقدمے کی تمام مختصر روئیداد درج ہوتی ہے۔ اس دن قیدیوں کو سپرنٹنڈنٹ جیل سے اپنی شکایت بیان کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

Marfat.com

اسے جیل کی زبان میں "پریڈ" کہتے ہیں۔

کمبل پریڈ

یہ پریڈ پہلی پریڈ سے مختلف ہوتی ہے۔ قیدی جب کسی نمبردار یا ملازم سے اور ایسا اوقات اپنے ایسے قیدی سے انتقام لینا چاہیں تو اسے موقعہ پاکر اپنی بیرک میں لے آتے ہیں۔ باتوں باتوں میں اس پر کمبل ڈال کر اس کی خوب مرمت کرتے ہیں اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اول تو اُسے چوٹ نہیں لگتی جس سے نشان ظاہر ہو۔ دوسرے اس کا سانس اس قدر گھٹ کر رہ جاتا ہے کہ غریب موت کے قریب پہنچ جاتا ہے تب اُسے چھوڑ دیتے ہیں۔

اس عمل کو جیل کے محاورے میں کمبل پریڈ کہتے ہیں۔

جنگلہ پریڈ

جیل خانے کا یہ ایسا محاورہ ہے کہ اگر قانون میں فحاشی کی تلوار بے نیام نہ ہوتی تو اس کی تفسیر میں مجھے کوئی تردّد نہیں تھا۔ تاہم جن لوگوں کو کبھی کبھار جیل جانے کا موقعہ ملا ہو۔ ان سے اس کے متعلق دریافت کیا جاسکتا ہے؟

فلاں کو کوٹھی لگا دیا گیا

قتل کا مقدمہ جب ماتحت عدالت سے سیشن کورٹ کے سپرد ہو جاتا ہے اور سیشن جج اسے سزائے موت کا حکم سناتا ہے تو جیل والے اسے پھانسی

Marfat.com

کوٹھڑی میں بند کر دیتے ہیں۔ یہ خاص قسم کی کوٹھڑی ہوتی ہے اسے جیل کے محاورے میں کوٹھی لگنا کہتے ہیں۔

یہاں سے ملزم یا تو بری ہونے پر نکالا جاتا ہے یا پھر پھانسی کے تختہ پر لے جانے کے لئے نکالتے ہیں۔

تاریخ بھرنی

زمیندار قسم کے لوگ جو فوجداری مقدمات میں سزایاب ہوتے ہیں۔ ان کے ورثا جیل آفیسروں سے رابطہ پیدا کر کے انہیں کچھ نہ کچھ ماہوار دینے کا وعدہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے قیدی کی مشقت کم کرنی پڑتی ہے بعض حالات میں تو ایسے لوگ نام کے قیدی ہوتے ہیں ان کے متعلق عام چرچا ہوتا ہے کہ یہ تاریخ بھرتے ہیں۔

تاریخی قید کاٹنا

قانون، بامشقت قیدی کو اس کی قید میں رعائیتیں دیتا ہے لیکن جو قیدی شرافت کے ساتھ اپنے دن نہیں گزارتا وہ اپنی قید کے پورے دن کاٹ کر رہا ہوتا ہے۔ اسے تاریخی قید کاٹنا کہتے ہیں۔

۵۵ لگ گئی ہے

جیل مینوئل میں ۵۵ بھی ایک دفعہ ہے جو عام طور پر ایسے قیدیوں پر عائد ہوتی ہے جو اپنا احاطہ یا بارک سے باہر پھرتا ہوا دیکھا جائے۔

Marfat.com

جیسے باہر کی دنیا میں دفعہ ۱۰۹۔ آوارہ گرد کے لئے ہے اسی طرح یہ دفعہ جیل خانے میں آوارہ قیدی کے لئے مخصوص ہے۔

دُنیا تے جا رہیا اے (دنیا میں جا رہا ہے)

جیل خانے کی مخلوق اِس محدود دنیا کو جہنم کدہ خیال کرتی ہے جب کوئی قیدی اپنے جرم کی بنا پر جیل خانے آجائے تو رہائی تک وہ اپنے آپ کو دنیا سے الگ خیال کرتا ہے گویا جیل خانہ دنیا میں نہیں ہے۔ لہٰذا جب کوئی قیدی رہا ہوتا ہے۔ تو قیدی آپس کی گفتگو میں کہتے ہیں کہ آج فلاں آدمی دنیا میں جا رہا ہے۔

۱۴۔ اُڑتی :-

جب حوالاتی قیدی بن کر جیل میں آتا ہے تو اُسے ہر رات نئی کوٹھڑی یا نئی بیرک میں بند کرتے ہیں۔ اسے جیل کی زبان میں اُڑتی کہتے ہیں۔ یہ جیل قانون کا اہم جزو ہے۔ اگر قید لمبی ہو۔ تو اس کا یہ چکر کئی مہینے چلتا ہے ورنہ تھوڑے دنوں بعد سلسلہ ختم کر دیا جاتا ہے۔

Marfat.com

جیل سے رہائی

جیسے جیسے عید کے دن قریب ہوتے جاتے مسرت کی لہر اسی قدر بڑھتی جاتی تھی۔ مہینے، ہفتے اور پھر دن .... دنوں کے بعد گھڑیاں آخری رات تو کم بخت کٹنے میں نہیں آتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ رات برس برابر کی رات ہے۔

یہ بچپنے کی بات ہے یادداشت کے خانے سے اب بھی اس کے نقوش اُبھر آتے ہیں یہی حال اُس قیدی کا ہوتا ہے جس کی رہائی کے دن قریب ہوں۔ وہ اپنے وقت کے شب و روز آنکھوں میں کاٹتا ہے اس کا دِل بلّیوں اُچھلتا ہے۔ وہ یوں محسوس کرتا ہے، جیسے جسم کی تمام زنجیریں ٹوٹ کر گر رہی ہیں۔ وقت کی سلطنت کا قانون شکست کھا کر لوٹ رہا ہے۔

Marfat.com

اور اپنے راستے کی تمام دیواریں ہٹاتا ہوا صاف چلا جا رہا ہے۔

قفس کی تیلیاں بادِ بہاری کا پیام لے کر آتی ہیں۔ جس جگہ اس نے اپنی قید کی مدت گزاری تھی۔ آج وہ جیل اسے اجنبی سی معلوم دیتی ہے۔ کیوں نہ ہو۔ وہ رہا ہو رہا ہے۔ آج اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ جیل کی کوئی دیوار اس کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔

جس دن قیدی سزا ہو کر جیل آتا ہے۔ چکر میں پہنچ کر اس کے اپنے کپڑے اتار کر جیل کے کپڑے پہنا دیئے جاتے ہیں۔ اگر سزا پانچ سال سے زائد ہو تو گھر کے کپڑے نیلام کر دیئے جاتے ہیں۔ ورنہ گٹھڑی باندھ کر اس پر قیدی کا نام اور سزا لکھ دیتے ہیں۔ یہی کپڑے رہائی کے دن واپس کئے جاتے ہیں۔

رہائی کے وقت پہلے قیدی کا نام چکر کے رجسٹروں سے پھر ڈیوڑھی کے رجسٹروں سے خارج کیا جاتا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے آخری دستخطوں سے صبح دس بجے تک قیدی کو رہا کر دیا جاتا ہے۔

عدالت جس تاریخ کو سزا دے رہائی اس تاریخ سے ایک دن پیشتر عمل میں آتی ہے اگر حساب سے اس تاریخ کو اتوار پڑتا ہو۔ تو رہائی ہفتہ کی شام کو عمل میں آجاتی ہے۔

جیل کی رات

رات ایک اندھیری چادر ہے کائنات کے چہرے پر۔
مخلوق سے لاتعلق انسان خالق کی خوشنودی کے لئے اسی اندھیرے میں چھپ کر اپنے مَن کا دیا جلاتا ہے۔ تاکہ زندگی کی شام ہونے تک ناہموار راہوں کی تمام منزلیں بآسانی طے ہو جائیں۔

چور اس سیاہ چادر کی سیاہی میں اپنے کو چھپا کر چوری کے لئے نکلتا ہے اور نہ جانے کس قدر دلوں کی آبادیستیاں ویران کر کے اندھیرے کی اوٹ میں واپس آجاتا ہے۔

اسی رات کے اندھیرے میں یار کی یاد سے ملاقات ہوتی ہے من کی اداس بگھیا میں بہار کے پھول کھلتے ہیں جنھیں شبنم دھو کر ساجن کے

Marfat.com

گلے کا ہار بناتی ہے آسمان، ان گنت ستاروں کی بے ترتیب قندیلیں جلا کر رات کو چلنے والے مسافروں کو راستہ دکھاتا ہے۔

سیارے پوری طرح جاگ اٹھتے ہیں ان کی تیز روشنی سے رات کے دھندلکے ماند پڑ جاتے ہیں۔

دریاؤں کے پانی دن بھر کے طوفان اور آندھیوں سے محفوظ رات کے دامن میں سکون کی نیند سوتے ہوئے رواں دواں زندگی کی منزل طے کرتے ہیں غرض رات عیب و ثواب کے تمام جلوے دیکھتی ہے اور خاموش ہے۔ مگر جیل کی رات خاموش نہیں ہوتی۔ یہاں کی رات کو باہر کے قانون سے کوئی علاقہ نہیں ——— دن بھر کے تھکے ہارے قیدی کو سرما میں سات بجے اور گرما میں چھ بجے شام اپنی جگہ مقفل کر دیا جاتا ہے۔ تمام جیل کی چابیاں ڈیوڑھی میں جمع رہتی ہیں۔ ہر احاطہ میں ایک نمبردار نوکری دیتا ہے اور وارڈر بھی جو ہر تین گھنٹے بعد تبدیل ہو جاتا ہے۔

سر شام چکر سے پکار شروع ہوتی ہے۔ تنہائی کوٹھڑیوں میں بند قیدیوں کو ہر تین گھنٹے کے بعد نوکری پر آنے والا ملازم "بول جوان" کہہ کر پکارتا ہے اس سے مقصود رات کو قیدی کی حاضری ہوتی ہے۔

"سب اچھا" اور "بول جوان" کی مسلسل آوازیں پھر چکر کی پکار ان تمام صداؤں سے جو ہنگامہ رات بھر جیل کی دنیا میں برپا رہتا ہے اس میں

Marfat.com

سکون کیسے مل سکتا ہے اور اس پر آفت یہ کہ کورٹ موقعہ کے گرد چکر کاٹنے والے نمبردار کی آوازیں الگ شور کئے رکھتی ہیں۔

یہ ہے جیل خانے کی رات کا فسانہ جب سارا عالم نیند کی آغوش میں مدہوش ہوتا ہے۔ قیدی نیند کی تلاش میں رات بھر جاگ کر گنوا دیتا ہے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

انجمن امدادِ قیدیاں

۱۹۰۷ء میں پہلی مرتبہ کلکتے میں اس انجمن قیام عمل میں لایا گیا۔ درخواس سے پیشتر انگلستان کی جیلوں میں یہ ادارہ کام کرتا تھا۔ ۱۹۲۹-۳۰ء تک ہندوستان کی تمام جیلوں میں انجمن امداد قیدیاں نے اپنا ابتدائی کام شروع کر دیا تھا۔ لیکن پنجاب کی جیلوں میں ۱۹۳۸-۳۹ء میں اس انجمن کی بنیاد پڑی۔ عام پر دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ قیدیوں کے ورثا کو ملاقات کے وقت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن ۱۹۳۹ء کے شروع میں پنجاب کی جیلوں باہر اچھا خاصا انتظام ہو چکا تھا، بیٹھنے کے لئے سایہ دار پختہ جگہ، پانی کا انتظام رات کے رہنے کے لئے مسافر خانے، ملاقات کی درخواست تحریر کرنے کے لئے منشی مقرر کئے گئے جیلوں کے اندر ریڈیو نصب کئے گئے۔ اس کے باوجود انجمن ہذا نے وہ حیثیت حاصل نہ کی،

Marfat.com

انگلستان کی انجمن امداد قیدیاں کو حاصل رہی۔

ہمارے ہاں جیل خانوں میں اصلاح کا کام اس قدر ہے کہ اگر ہر ضلع میں ایسی بیسیوں انجمنیں ہوں تب بھی یہ کام برسوں میں ختم نہیں ہو سکتا۔ پنجاب کے جیل خانوں کے بگڑے ہوئے چہرے کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انجمن ہذا ایک ایسا ڈھانچہ ہے۔ جیسے ممی خانے سے مُردہ اٹھا کر کسی ڈاکٹر کی دوکان پر رکھ دیا جائے۔

جیلوں میں عربی اور اردو کے ابتدائی قاعدے مہیا کرنے یا ریڈیو نصب کرنے سے قیدیوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ بلکہ انگلستان کی طرح ہونا یہ چاہئے تھا کہ :-

جس دن قیدی جیل خانے میں داخل ہو حکام جیل کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ انجمن امداد قیدیاں کو مطلع کریں تاکہ انجمن کا کوئی رکن قیدی سے مل کر اس کے خانگی حالات دریافت کرے اور رہا ہونے سے ایک ہفتے پیشتر اس قیدی سے دوبارہ ملاقات کر کے معلوم کرے کہ میعاد اسیری میں قیدی نے جیل خانے میں کونسا ہنر حاصل کیا۔ پھر انجمن کے پاس ایمپلائمنٹ ایکسچینج کی پوری واقفیت ہو تاکہ وہ رہا ہونے والے قیدی کو ایمپلائمنٹ ایکسچینج کے ذریعے ملازمت دلا سکے۔

Marfat.com

لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ ملاقات کے وقت ہر درخواست پر چار آنے قیدی کے ورثا سے وصول کئے جاتے ہیں۔ یہ رقم ایک صندوقچی میں ڈال دی جاتی ہے جس کی چابی سپرنٹنڈنٹ کے قبضے میں ہوتی ہے مگر جب صندوقچی کھولی جاتی ہے تو اکثر جیلوں میں اس صندوقچی کی رقم چوتھا حصہ برآمد ہوتی ہے یہی وہ خرچ ہے جس سے انجمن امدادِ قیدیاں چل رہی ہے ممکن ہے صوبہ کی حکومت بھی مالی امداد کرتی ہو مگر انجمن کے کام کو دیکھا جائے تو یہ رقم بھی کافی ہے۔

عام طور پر جیل خانوں کے ریڈیو (جو محض قیدیوں کے لئے ہوتے ہیں) یا تو خراب رہتے ہیں یا جیل آفیسروں کے گھروں کی زینت! ورنہ تنہائی میں قیدی کی زندگی میں لاسلکی کے لئے کچھ دیر کے لئے عجیب کیف و سرور پیدا کر دیتے ہیں۔

سانوں مکھڑا دکھا جا سوہے چوڑے والئے

پنجابی گیت کا یہ مصرع جب اس قیدی کے کان پڑتا ہے جسے جیل آئے ہوئے برسوں گزر چکے ہیں۔ تو اسے اپنی دلہن کی مانگ کا سیندور یاد آنے لگتا ہے۔ شام کے دھندلکے میں ڈھلتے ہوئے آفتاب کی طرح اس کی آنکھوں کی سرخی آنسوؤں کے راستے برساتی نالوں کی طرح بہہ جاتی ہے۔ برسوں پہلے گندی ہوئی کہانی کتابِ زندگی کے ورق الٹنے لگتی ہے

Marfat.com

جیسے آج ہی اس کی برات اپنے گاؤں سے گذر رہی ہے۔ گاؤں کے کھیت ایڑیوں کے بل کھڑے ہو کر برات کے آگے بجتے ہوئے باجے کی دھن پر سر دھنتے ہیں۔ گاؤں کی جوان لڑکیاں جوبن کے بوجھ سے بوجھل جوانیاں لئے ہوئے اپنے گاؤں کے دولہا کے ساتھ ساتھ دیہاتی دوہے گاتی جا رہی ہیں بڑھاپے کی آخری منزل پر کھڑی بڑی بوڑھیاں گاؤں کے جوان پوتے کی بلائیں لے رہی ہیں۔

کیسری اور قرمزی رنگ کی پگڑیاں باندھے جوانوں کی ٹولیاں گاؤں کے بے ترتیب راستوں کی طرح رات کی سپید چاندنی میں برات کیساتھ ایسے جا رہے ہیں جیسے ان کی اپنی برات ہو۔

پڑوس سے آئے ہوئے آتش بازنے چکے اور پھل جھڑیوں کی باڑھ باندھی تو معلوم ہوتا تھا۔ جیسے سارے گاؤں نے گامے کی شادی پر دیپ مالا کی ہے اور جب آتشباز نے انار کو آگ دی تو آسمان سے ستارے برسنے لگے۔ چاند کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

اگر بوٹا غصے میں نہ آتا تو لڑائی کی کوئی وجہ بھی نہ تھی۔

برات دوسری طرف سے گذر جاتی...... گاؤں کے لوگ بھی عجیب لوگ ہیں اتنی سی بات پر دو خون کر دیئے کہ برات ہمارے راستے سے کیوں گذری ہے۔

Marfat.com

دس سال اس واقعہ کو ہو چکے ہیں۔
قیدی اسی خیال میں تھا۔ کہ لاسلکی نے دوسرے نغمے کا آغاز کیا۔

زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے
بج رہا ہے اور بے آواز ہے

پھانسی کوٹھڑی کے قیدی نے اِس شعر کے مصرع اولےٰ کو اُسی طرح دُوہرایا۔ گویا اس کے دونوں پھیپھڑوں سے آواز نکل رہی ہے جیسے کوئی سازِ زندگی کے تمام تار ایک ایک کر کے توڑ رہا ہے۔ اور آگ کے الاؤ۔ ان تاروں کو پانی پانی کر رہے ہیں..... آگ کے الاؤ! کتنی بھیانک تھی وہ آگ..... شاید اسی تصور سے قاتل کا ہارٹ فیل ہو جاتا۔ کہ پہرے پر کھڑے ملازم نے اُسے چونکا دیا۔

یہ اف نہ نہیں جیل خانوں میں ریڈیو پر فلمی گانے قیدیوں کے جذبات سے اسی طرح کھیلتے رہتے ہیں۔

جیلوں میں ریڈیو قیدیوں کے لئے کوئی مفید ثابت نہیں ہوا۔ اگر ریڈیو ضروری جُزو ہے جیل خانوں کا تو ریڈیو پروگرام میں یہاں اصلاحیت سے غیر ضروری گیت اور ڈرامے کئے جاتے ہیں۔ وہاں قیدیوں کیلئے بھی پندرہ منٹ کا پروگرام ہونا چاہئے لیکن اس کے برعکس قیدیوں کو ایسے گیت سنائے جاتے ہیں۔ جن میں جنسیات کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

Marfat.com

البتہ دیہاتی پروگرام میں کچھ کارآمد باتیں ہوتی ہیں۔ لیکن جب یہ پروگرام ریڈیو نشر کرتا ہے۔ تو قیدی دن بھر کی مشقت کے بعد تھک ہار کر اپنی اپنی بیرکوں میں بند ہو چکے ہوتے ہیں۔

جب جیلوں میں تعلیم کا باقاعدہ انتظام نہیں تو گاہے گاہے اردو کے ابتدائی قاعدے تختیاں، سپارے قرآن کریم، آفسران کے سپرد کر کے جیل کی ڈیوڑھی سے واپس چلے جانا کوئی خدمت نہیں کہی جا سکتی۔

فٹ بال والی بال کیرم بورڈ اور اِسی قسم کی آوٹ ڈور یا اِن ڈور کھیلیں قیدیوں کے کسی کام نہیں آتیں۔ جبکہ انہیں اس کیلئے وقت ہی میسّر نہیں۔ شاید ہی کوئی ایک آدھ نیک سیرت آفیسر ہو جسے یہ احساس ہو۔ کہ کھیل کود کے لئے قیدیوں کو کوئی وقت دینا چاہئے۔ ورنہ بھیڑ بکریوں کی طرح صبح ہانک کر کارخانے لے جانا۔ اور شام کو چار بجے تالوں میں بند کر دینا۔ ان حالات میں کونسا وقت ہے۔ جب غریب قیدی فٹ بال، والی بال یا کیرم بورڈ کھیل سکتا ہے پھر جو عنصر جیل خانوں میں بند ہے۔ اُسے تو ٹھیک طرح سے ان کھیلوں کے نام بھی نہیں آتے یہ تمام چیزیں جو انجمن جیل آفیسروں کے سپرد کرتی ہے گودام میں جمع رہتی ہیں۔ کبھی اتوار کے دن کسی احاطہ میں۔ ان میں سے ایک آدھ کھیل کا مظاہرہ ہوتا ہے وہ بھی نہ ہونے کے برابر کیونکہ سب کے سب اناڑی

Marfat.com

قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی مشق نہیں ہوتی۔ دن بھر مونج کوٹنے اور بان بٹنے والے قیدی فٹ بال یا والی بال کیا جانیں۔

آج جیلوں میں نصف کے قریب ایسے لاوارث قیدی پڑے ہیں جن کی طرف سے قانون نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ پولیس کا ایک سپاہی اپنی کارگزاری کے لئے۔ راہ چلتے مسافر کو دفعہ ۱۰۹ میں گرفتار کرتا ہے۔ جب وہ عدالت میں لایا جاتا ہے۔ تو کوئی نہیں پوچھتا تیرا ٹھکانہ کہاں ہے تو یہاں کیوں آیا تھا۔ کہاں رہتا ہے۔ لیکن عارضی رونمائی کے بعد اسے پھر جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ اسی طرح چھ چھ ماہ گذر جاتے ہیں۔ نہ کوئی گواہ ہے نہ کوئی مقدمہ چونکہ پولیس نے اسے گرفتار کیا تھا۔ لہذا وہ جیل میں پڑا ہے۔

گاؤں کے نمبردار کی اگر کسی غریب دیہاتی سے اَن بَن ہو جائے تو موقعہ ملتے ہی اس کے سارے خاندان کو جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ اس کی ضمانت تک دینے والا کوئی نہیں ملتا۔

اِس قسم کے بیسوؤں کیس پنجاب کی جیلوں میں مل سکتے ہیں۔ جو امداد کے محتاج ہیں اور صحیح طور پر یہی قیدیوں کی امداد ہے۔

لاوارث حوالاتیوں کے لئے وکیل کی خدمات حاصل کرنا

ہے یہاں ایک آئینی اعتراض ہو سکتا ہے کہ لاوارث ملزمان کیلئے

Marfat.com

سرکاری وکیل موجود ہوتے ہیں۔ یہ درست ہے۔ لیکن موجودہ ماحول میں سرکاری وکیل اور پولیس دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ان حالات میں ملزم کے لئے ضروری ہے کہ اس کا اپنا وکیل ہو، ورنہ وہی ہوگا۔ جو منظور ..... یہ کارِ ثواب بھی ہے اور عدالتوں کی اِمداد بھی۔

انجمن امدادِ قیدیان اگر اپنے گزشتہ کارناموں کا محاسبہ کرے۔ تو یقیناً اسے شرمندہ ہونا پڑیگا۔ اس کا موجودہ نظام دولت مند لوگوں کے ہاتھوں میں جاچکا ہے۔ جو سوائے الیکشن لڑنے کے اور کوئی نیک کام کر ہی نہیں سکتے۔ انجمن ھذا اپنے ماضی پر ایک نظر ڈال کر دیکھے۔ کہ جیلوں میں ریڈیو لگانے فٹ بال، والی بال، کیرم بورڈ یا اردو عربی کے قاعدے مہیا کرنے سے قیدیوں میں کس قدر تہذیب آسکی۔ ہر سال کتنے قیدی تعلیم حاصل کر سکے ؟

اگر ان سوالات کا جواب نفی میں ہو۔ تو پھر راقم کی رائے میں یہ ڈرامہ ختم کر دینا چاہئے۔ اور اگر واقعی انجمن جیلوں میں کوئی تبدیلی چاہتی ہے۔ تو اِن راہوں پر اپنے کو چلانے اور ان تجاویز پر عمل پیرا ہونے سے قیدی اور قانون دونوں فائدے میں رہینگے۔

۱۔ انجمن امداد قیدیاں اپنے سارے ڈھانچے کو از سرِ نو منظم کرے۔

Marfat.com

۲۔ ہر شہر میں جہاں جیل خانہ ہو۔ مخلص اور با اثر قومی کارکنوں کی ایک جماعت تیار کی جائے جو لاوارث قیدیوں کے مقدمات کی پیروی کرے جن کی سماعت کو تین ماہ سے زاید عرصہ ہو چکا ہو۔

۳۔ جیل خانوں میں تعلیمی ادارے قائم کرنے میں حکومت سے تعاون کرے۔

۴۔ مستحق قیدیوں کے لئے ایک فنڈ مقرر کیا جائے اس سلسلے میں عوام سے زکوٰۃ، فطرانہ، نذرانہ اور قربانی کی کھالیں جمع کی جائیں۔ (بشرطیکہ حکومت جیل خانوں میں قیدیوں کی اخلاقی تربیت و اصلاح کا کوئی پروگرام تجویز کرے جس سے قیدی ایک بہتر اور اچھا شہری بن سکے)

۵۔ ریڈیو پروگرام میں قیدیوں کے لئے وقت مخصوص کرایا جائے۔

۶۔ قیدیوں کی ملاقات کے وقت انجمن ہذا کا آدمی مقرر ہو۔ جو قیدیوں کے ورثا سے درخواستیں وصول کرے۔ تاکہ دور دراز

Marfat.com

سے آنے والے دِقّت اور رشوت سے نجات
پا سکیں۔
اُمید ہے۔میری ان تجاویز پر غور کیا جائے گا۔

Marfat.com

نیلی بار

جس طرح لائل پور کا علاقہ ساندل بار کہلاتا ہے، اسی طرح منٹگمری کے علاقے کو نیلی بار کہتے ہیں ..... نیلی بار یہ لفظ پنجاب کی اکثر جیلوں میں سننے اور بولنے میں آتا ہے۔ مگر یہ محاورہ نہیں، بلکہ واقعات کی ایک ایسی کڑی ہے۔ جس میں ہر قیدی اپنے آپ کو اسیر دیکھنا چاہتا ہے مگر ؎

ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اپنے صوبے کی حکومت نے بعض مخصوص قیدیوں کے لئے بورے والا منڈی (ضلع منٹگمری) سے پانچ میل دور ایک آبادی کی بنیاد ڈال رکھی ہے۔ تین ہزار ایکڑ زمین میں سرکاری فارم (ریفارمیٹری) ایسے مجرموں

Marfat.com

کی بستی ہے جنہیں قانون نے چند مراعات دے رکھی ہیں۔

اس رعایت کے وہی مستحق ہوتے ہیں جو نہ تو قتل کر کے آئے ہوں اور نہ انہیں ارادہ قتل کے تحت سزا ہوئی ہو۔ چور ڈاکو، گرہ کٹ بھی نیلی بار میں آباد نہیں ہو سکتے۔ صرف ایسے مجرم یہاں لائے جاتے ہیں۔ جو معمولی قسم کے جرم میں سزا یافتہ ہوں۔ مثلاً فوجداری یا گھریلو جھگڑے میں الجھ کر جیل آئے ہوں۔ جب قیدی تین سال قید میں سے قریباً اٹھارہ ماہ خوش اسلوبی سے گزار چکا ہو۔ تو اس کا نقشہ جیل سپرنٹنڈنٹ کے ذریعے سے آئی جی (جیل خانہ) سے ہوتا ہوا ہوم سیکرٹری کے پاس جاتا ہے وہاں سے منظوری آنے پر قیدی کو نیلی بار کے افسران کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

بعض اوقات یہ منتقل جان پہچان کی وجہ سے فوری طے ہو جاتی ہے ورنہ مہینوں دفاتر کی فائلوں میں محفوظ رہتی ہے۔

نیلی بار کے تمام مستحق قیدی پہلے لائل پور جیل میں جمع کئے جاتے ہیں یہاں سے انہیں متعلقہ حکام اپنی تحویل میں لے لیتے ہیں۔

بعض ضرورت مند لوگ اپنے ہاں کام کاج کے لئے محکمہ کو درخواست دیکر معمولی تنخواہ پر قیدی حاصل کر لیتے ہیں۔ جیل کی عام بول چال میں ایسے قیدی اپنے آپ کو نیلی بار میں شمار کرتے ہیں۔

جب پہلی بار قیدی نیلی بار لایا جاتا ہے۔ تو وہاں کے دکاندار (جو

Marfat.com

قیدی ہوتے ہیں) اسے بیس روپے قرض کے عوض چارپائی۔ مٹی کا گھڑا۔ توا۔ پرات۔ پتیلی۔ چمچ۔ کرتہ۔ پاجامہ دیتے ہیں۔ اوڑھنے کے لئے کوئی کپڑا انہیں دیتے خواہ کیسا موسم ہو۔ اگر قیدی گھر سے خوشحال ہو۔ تو اپنا انتظام خود کرتا ہے ورنہ حکومت کی طرف سے اسے بیلوں کی جوڑی۔ ہل۔ و دیگر کاشت کا سامان دیا جاتا ہے۔ ہر موسم میں کاشت کی کٹائی پر بقول سابق وزیر جیلخانہ جات کے کاشت کار قیدیوں کو چالیس اور ساٹھ کے تناسب سے بٹائی دی جاتی ہے۔ یعنی پیداوار کا ساٹھ فی صدی قیدی کاشت کار لے جاتے ہیں اور چالیس فی صد حکومت کے پاس رہ جاتا ہے۔ قیدیوں کے حصے کی فصل فروخت کر دی جاتی ہے۔ اور روپیہ ان کے نام جمع کر دیا جاتا ہے جسے وہ رہائی کے وقت وصول کر لیتے ہیں۔

جن قیدیوں کے بچے ان کے ہمراہ رہتے ہیں انہیں رہائش کے لئے مکان اور ایک من پانچ سیر غلہ ماہوار ملتا ہے۔ آج سے کچھ سال پیشتر نیلی بار ریفارمیٹری میں کام کرنے والے ہر شت کار قیدی کو پچاس روپے ماہوار معاوضہ ملتا تھا جس سے وہ اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتے تھے۔ مگر اب جبکہ ہر شے گراں ہے بتیس روپے ماہوار ملتے ہیں۔ اس فارم سے حکومت کو سال بھر میں قریباً لاکھ روپیہ سے اوپر آمدنی ہوتی ہے

نیلی بار کا یہ حصہ بظاہر ایک عام گاؤں معلوم ہوتا ہے مگر نہیں۔ یہ قیدیوں

Marfat.com

کی بستی ہے۔ یہاں حکام نے قیدیوں اور ان کے بچوں کے لئے تعلیم کا بہترین انتظام کر رکھا ہے۔ استاد معقول ہے۔ مگر قیدیوں کے رہائشی مکان نہایت گندے ہیں۔ تاہم جیل خانے سے بہتر ہیں۔

یہاں ملاقات کی کوئی پابندی نہیں۔ قیدی معین وقت پر گھر جا سکتا ہے اگر حکومت ذرا سی توجہ اور دے جیسے وزیر جیل خانہ جات نے کہا ہے کہ حکومت اس ریفارمیٹری کو تیس ہزار ایکڑ اراضی سے بڑھا کر مزید چودہ سو ایکڑ کا اضافہ کرنا چاہتی ہے تو یہ رقبہ حکومت اور قیدیوں کے لئے بہترین ثابت ہو سکتا ہے

Marfat.com

میعادی قیدی

غریب کی اولاد اور فوج کا گھوڑا اگر بگڑ جائیں تو عمر بھر درست نہیں ہوتے۔

یوں تو جیل خانوں میں لوگ آتے اور چلے جاتے ہیں لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک دفعہ آکر پھر وہیں کے ہو رہتے ہیں۔

ان بلند دیواروں کے پچھواڑے بیٹھے بیٹھے بعضوں کی عمریں گزر چکی ہیں وہ یہاں کی ہر چیز سے مانوس ہو چکے ہیں۔ نہ تو قانون ہی انہیں اجازت دیتا ہے کہ وہ آزاد رہ کر نگہت باد بہاری سے ہمکنار ہو سکیں اور نہ ان کی اپنی عادات اس قابل ہیں کہ موسم فصل گل کا پیام آنے تک ان کے بال و پر درست ہو سکیں۔ ع

Marfat.com

بہار اپنی چمن اپنا قفس کی تیلیوں تک ہے

اُن کی نگاہیں دور تک جانے کی سعی پیہم میں دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آتی ہیں۔ ان کے ہاتھ اٹھتے ہیں۔ تو لوہے کے دروازوں سے چوٹ کھا کر زخمی ہو جاتے ہیں۔ ان کے دماغ سوچتے ہیں تو تالوں کی جھنجھناہٹ میں سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ ان کے پاؤں حرکت کرتے ہیں تو بوجھل بیڑیاں راستہ روک لیتی ہیں۔ ان کے فکر و ادراک کی سمٹی ہوئی دنیا اپنی کوٹھڑی سے آگے نہیں جا سکتی۔ ان کے جسم اس طرح کھوکھلے ہو چکے ہوتے ہیں۔ کہ ہڈیوں کی آواز نبض سے زیادہ تیز سنائی دیتی ہے۔

ان کے سیاہ چہرے اندر دھنسی ہوئی آنکھیں پچکے ہوئے گال دیکھ کر اسطرح محسوس ہوتا جیسے کوئی مُردہ اچانک موت کی آغوش سے گر گیا ہو۔

یہ وہ لاشیں ہیں جن میں جان تو ہے لیکن احساس جان نہیں۔

یہ حرکت تو کرتے ہیں لیکن برکت پیدا کر نہیں سکتے۔

یہ سانس تو لیتے ہیں لیکن برائے نام۔

یہ ہنستے تو ہیں مگر کھوکھلی ہنسی۔

یہ آدمی تو ہیں مگر آدمیت سے دُور۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے بگاڑ کی ذمہ داری معاشرے پر نہیں بلکہ والدین کی غلط تربیت پر عائد ہوتی ہے۔

Marfat.com

انہیں جیل کی زبان میں میعادی قیدی کہا جاتا ہے۔ ان میں قاتل ڈاکو
چور۔ اور گرہ کٹ عام پائے جاتے ہیں۔

قاتل اگر پھانسی سے بچ جائے تو عمر قیدی ہو کر ان میں شامل ہو جاتا ہے
ڈاکو مسلسل ڈاکہ زنی کے باعث زندگی کے باقی دن یہیں گزارتا ہے۔
چور اپنی کارگزاری کی مسل اس قدر بوجھل کر لیتا ہے کہ عدالت میں اسکے
لئے رحم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

گرہ کٹ۔ ناخن تدبیر سے بار بار دل کی گرہ کھولنے کی کوشش کرتا
ہے۔ لیکن ہر بار شکست کھاتا ہے اپنی عادات کے ہاتھوں۔

یہی چار عناصر ہیں جو اس بستی کو کبھی اجڑنے نہیں دیتے۔ ان کے دم سے
لوہے کے مضبوط تالے۔ بوجھل بیڑیاں ہمیشہ مصروفِ کار رہتی ہیں۔

سنہ ۱۹۳۰ء سے قبل ایسے قیدی جن کی سزا بیس سال ہوتی کالے پانی بھیج
دیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے بعد سے طویل المیعاد قیدیوں کو پنجاب کی مختلف
جیلوں میں رکھا جاتا ہے۔

تقسیم ملک سے ذرا پہلے تک عمر قیدی کو مع کٹوتی کے چودہ برس
قریب قید کاٹنا پڑتی تھی۔ اور بعض قیدی بارہ برس گزار کر رہا ہو جاتے
لیکن اب یہ رواج نہیں نئی رسم کے تحت چودہ برس قید کاٹنے کے بعد قید
کا نقشہ تیار ہوتا ہے اور یہ نقشہ انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کی معرفت
سکرٹری کو بھیجا جاتا ہے۔ وہاں یہ مختلف دفاتر کے چکر کاٹتا ہے۔

Marfat.com

سیکرٹری کے دفتر سے ضلع کے ڈپٹی کمشنر کے پاس، پولیس انسپکٹر کے پاس پھر علاقہ کے انسپکٹر کے پاس اس کے بعد تھانہ محرر کے پاس وہاں سے سپاہی کے ذریعے متعلقہ گاؤں یا علاقہ کے معززین کے پاس جاتا ہے ان کاغذات میں ایک ہی سوال تحقیق طلب ہوتا ہے کہ آیا اس قیدی کے رہا ہونے پر کسی جھگڑے کا پھر سے امکان تو نہیں۔ اگر قیدی کی پشت پناہی کرنے والے اثر و رسوخ کے مالک ہیں۔ اور متعلقہ افسران کی خدمت کرنے میں بخیل نہیں یا پھر کسی وزیر کی نظر کرم ہو جائے تو قیدی چودہ برس سے ایک دن پیشتر ہی رہا ہو جاتا ہے۔ ورنہ عام طور پر کمزور قیدی کی رپورٹ کمزور ہی ہوتی ہے۔ اکثر ان کاغذات کی آمد و رفت میں سال گزر جاتا ہے۔ اگر افسرانِ متعلقہ کا ارادہ نیک ہو تو یہ سفر ہفتوں اور دنوں میں طے ہو جاتا ہے۔

نئی اطلاع ہے کہ میعادی قیدیوں کے لئے اب یہ حکم آیا ہے۔ کہ بیس سالہ قیدی کم از کم بیس برس ہی گزارے۔ ویسے بھی کاغذ کی آمد و رفت اور ان کی دیکھ بھال میں اسی قدر وقت صرف ہو جاتا ہے۔

حقیقت میں جو رعایت میعادی قیدی کو دے رکھی ہے۔ موجودہ دور کے حکام قیدی کو اس سے محروم کر رہے ہیں۔

تقسیم ملک سے پیشتر کے حکام قیدی کے حق میں برے نہ تھے۔ سر منوہر لال نے بحیثیت وزیر جیل خانہ جات حکم دے رکھا تھا کہ بیمار قیدیوں کو ان کی

Marfat.com

بقایا قید کے باوجود رہا کر دیا جائے۔ اسی طرح ملک خضر حیات خان ٹوانہ کے عہد وزارت میں لالہ بھیم سین سچر نے جہاں جیل خانوں سے چکی۔ خراس۔ کولھو جیسی انسانیت سوز سزائیں ختم کیں وہیں میعادی قیدی کو بارہ سال کے بعد رہا کرنے کا حکم دیا۔ نیز ہر چھ ماہ بعد بوڑھے قیدیوں کو رہا کر دیا جاتا تھا۔

پاکستان سے باہر کی حکومتوں نے اور خود پاکستان کے اندر ریاستی حکومتوں نے میعادی قیدی کے لئے بہت کچھ سوچا اور کیا۔ چنانچہ

ریاست بہاولپور کی حکومت کے ڈائریکٹر جیل خانہ جات نے جو گھریلو صنعتوں کے ڈائریکٹر بھی ہیں۔ ایک منصوبہ تیار کیا ہے کہ

عمر قیدی جنہوں نے اپنی قید میں سے آٹھ برس پورے کر لئے ہوں اور ان کا اس دوران چال چلن اچھا رہا ہو۔ نیز انہوں نے مختلف گھریلو صنعتوں میں خاصی مہارت حاصل کر لی ہو۔ انکو چولستان (بہاولپور) کے علاقہ میں بھیج دیا جائے تاکہ وہاں کی آبادی کو مختلف دست کاریوں میں تربیت دے سکیں اور اس طرح چولستان کی آبادی کا بڑا حصہ جو اس وقت صرف مال مویشی پال کر گزارہ کرتا ہے مختلف دستکاریوں کی بدولت وہاں کی خام اشیاء کام میں لا کر اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکے۔

ریاست بیگلور نے جولائی ۱۹۵۳ء میں اعلان کیا کہ :-

Marfat.com

بنگلور میں ایک کھلا جیل خانہ قائم کیا جائیگا جس کی نہ دیواریں ہونگی اور نہ سلاخیں اس نئے جیل خانہ میں طویل المیعاد قیدیوں کو ان کے اہل وعیال سمیت رہنے کی اجازت ہوگی اور ان پر کوئی محافظ مقرر نہیں کیا جائیگا۔ البتہ اس جیل کے لئے قیدیوں کا انتخاب احتیاط سے کیا جائیگا۔

صرف وہی قیدی اس میں آسکیں گے جو اپنی قید کا چوتھائی حصہ کاٹ چکے ہوں۔ ان قیدیوں کو بکاؤلی کے آبپاشی اور پن بجلی کے پروجیکٹ میں کام کرنے کی اجازت ہوگی انہیں عام شرح کے مطابق اجرتیں ملیں گی۔

(حوالہ از آفاق مورخہ ۱۵۔ جولائی ۱۹۵۳ء)

ریاست حیدرآباد نے سکندرآباد سے اعلان کیا :-

ریاست حیدرآباد نے میعادی قیدیوں کی اصلاح کا کام شروع کر رکھا ہے چنانچہ سنٹرل جیل کے دو سو بیس قیدیوں میں سے ایک سو ننانوے قیدیوں نے مختلف زبانوں کے امتحان دیکر کامیابی حاصل کی۔

(امروز ۲۷۔ اپریل ۱۹۵۳ء)

پھر ایک سال بعد بھارت حکومت نے اعلان کیا :-

Marfat.com

حیدرآباد سنٹرل جیل میں عمر قید سزا کاٹنے والے دو کمیونسٹ قیدیوں کو یونیورسٹی کے امتحان میں شریک ہونے کی اجازت دے دی ہے ان میں سے ایک قیدی کو اولاً سزائے موت دی گئی تھی جس کو بعد میں عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔

(امروز ۲۹ دسمبر ۱۹۵۴ء)

جہاں تک پنجاب کے جیل خانوں کے اندرونی نظام کا تعلق ہے میعادی قیدیوں کے لئے صوبائی حکومت کے پاس سوائے روپیہ اور ان کی عمر ضائع کرنے کے اور کوئی انتظام نہیں اس کے باوجود حکام ایسے مجرموں کیلئے ان کی قید میں اضافہ کر کے کسی تدبّر کا ثبوت نہیں دے رہے بلکہ جیلخانوں میں پرورش پانے والے جرموں کی عمر بڑھا رہے ہیں۔

امید ہے کہ آج نہیں تو کل حکومت کو اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی کرنا پڑے گی۔

Marfat.com

جیل سے فراری

جیل خانوں سے قیدیوں کے فرار کے متعلق جب کسی اخبار میں خبر شائع ہوتی ہے تو عوام سوچتے ہیں کہ اٹھارہ انیس فٹ اونچی دیوار۔ لوہے کے دروازے۔ پولیس کا انتظام۔ پھر دن میں تین بار قیدیوں کی گنتی کے باوجود یہ فرار کیسے ہو جاتے ہیں یہ سوال اپنی جگہ ایک وزن رکھتا ہے۔ مگر یہ سوچئے کہ دیکھ بھال کرنے والے بھی آدمی ہیں۔ اور اس نظام سے بغاوت کرنے والے بھی آدمی۔

مختلف دماغ مختلف طریقوں سے سوچتے ہیں۔ ایک اگر گرہ باندھنے کی فکر میں ہے تو دوسرا گرہ کھولنے کی فکر میں شب و روز کھویا رہتا ہے۔ لگاڑنے اور سنوارنے کے دونوں راستے ساتھ ساتھ برابر چل رہے ہیں اور چونکہ

Marfat.com

فطرتِ انسانی قناعت نہیں کرسکتی۔ ہر آدمی اپنے لئے نئی جگہ تلاش کرتا ہے۔ نئے ٹھکانے ڈھونڈتا ہے۔

جیل خانہ پابندی کا دوسرا نام ہے۔ آزاد منش انسان اس پابندی کو کیونکر گوارہ کرسکتا ہے اگر وقت کا قانون اس کی کسی حرکت کے خلاف حرکت کرتا ہے۔ تو وہ اس سے رہائی کے لئے پہروں سوچتا رہتا ہے۔ چنانچہ

جیل خانوں سے فراری کے واقعات کے محرک ایسے ہی خیالات ہوتے ہیں ایسے ارادوں کی تکمیل کے لئے کبھی تو انسان اکیلا سوچتا ہے اور کبھی اس کے ہم جلیس اس کی معاونت کرتے ہیں۔ رہا سامان تو ضرورت اپنا سامان خود ایجاد کرتی ہے۔

جیل خانوں سے قیدی کا فرار کبھی تو حکام جیل کی غفلت سے ہوتا ہے اور کبھی قیدی کو آزاد فضا کے پیغام آنے لگتے ہیں۔ اور وہ رختِ سفر باندھتا ہے۔

۱۹۵۳ء کی بات ہے کہ لائل پور جیل سے ۲۶ اور ۲۷ جولائی کی درمیانی رات کو چار آدمی کورٹ موقعہ سے فرار ہوتے میں کامیاب ہوگئے۔

چاند رات کا پچھلا پہر تھا کہ اچانک ہنگامہ ہوا وہ مار گئے.....
تیری ماں کی، تیری بہن کی، یہ گئے.... وہ گئے۔ اس دھینگا

Marfat.com

مُشتی سے تمام جیل میں ہراس پھیل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پتہ چلا
کہ فلاں فلاں قیدی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہوا یہ
کہ ۲۶ جولائی کو اتوار کی چھٹی تھی اور قریب کے احاطے میں حوالاتی
آپس میں کشتی کا پروگرام بنا رہے تھے۔ فرار ہونے والے قیدیوں
نے اپنے احاطہ کے انچارج سے وہاں تک جانے کی اجازت چاہی
لیکن اس نے انکار کر دیا۔ یہ بہانہ بنا فرار ہونے کا۔
جس جگہ یہ قیدی رات کو بند ہوتے تھے ان کوٹھڑیوں کے مقابل
چند ایسی کوٹھڑیاں تھیں جو بیکار ہونے کی وجہ سے خشک سبزیوں
کا گودام بن گئیں تھیں۔ موقعہ پا کر ان کوٹھڑیوں کے دونوں
تختے اکھاڑ کر انہیں آپس میں باندھ کر سیڑھی کی صورت دیکر
محفوظ کر لیا نیز اسی دن سرِ شام کسی طرح چابیوں کے گچھے
سے اصل چابیاں نکال کر اس میں نقلی چابیاں ڈال دیں تاکہ
گنتی برابر رہے۔ وقت آنے پر ایک قیدی جس کے پاس کدال
کی سی قسم کا ایک ہتھیار تھا۔ اپنی کوٹھڑی کے اندر سے نقب لگا کر
باہر نکلا اور پھر اس نے چابی سے اپنے تین ساتھیوں کو رہا کیا۔
ان سب نے مل کر گودام سے وہی سیڑھی نکالی پہلے اپنا احاطہ
پار کیا پھر کورٹ موقعہ اور بھاگ نکلے!

Marfat.com

۲

بہت برسوں کی بات ہے کہ :-
منٹگمری جیل سے چودہ قیدیوں نے مل کر فرار ہونے کی کوشش
میں ایک کوٹھڑی سے سرنگ لگانی شروع کی۔ جیل کا بھنگی اس
سازش میں ان کا شریکِ کار تھا۔ وہ دن بھر کی مٹی ٹھکانے لگاتا
رہتا۔ اس کوشش میں قیدی کورٹ موقعہ کی دیوار تک چلے
گئے۔ ایک رات جب وہ سرنگ کے ذریعے باہر نکل رہے
تھے بدقسمتی سے پولیس گشت کرتی ہوئی ادھر آنکلی۔ اور قیدیوں
کی تمام محنت رائیگاں گئی وہ پھر سے اپنی جگہ واپس لائے گئے۔

۳

پشاور جیل میں بھی ایسا ہی ہُوا۔
بعض جیلوں میں میعادی قیدیوں کے لئے خیمے نصب کئے جاتے
ہیں یہ خیمے دن بھر خالی رہتے ہیں۔ رات کو ان قیدیوں کی گنتی
انہی خیموں میں ہوتی ہے۔ پشاور جیل میں بھی خیمے نصب تھے
کہ ایک بھنگی قیدی نے اپنی نجات کا طریقہ خالی کیمپ کے ذریعے
سوچا۔ چنانچہ ایک کیمپ میں سرنگ لگانی شروع کی۔ ابھی وہ
کورٹ موقعہ سے دو ہی تھا۔ کہ ایک قیدی نے اُسے یہ حرکت

Marfat.com

کرتے دیکھ لیا۔ یہ راز فاش ہونے پر قیدی کو پھر سے مقفل
کر دیا گیا۔

اپنے دیش ہی میں نہیں پرائے دیش میں بھی ایسا ہی کچھ ہوتا رہتا ہے :۔

سویڈن جیل سے ایک قیدی کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب
ہوگیا۔ پولیس تعاقب کر رہی تھی۔ کہ وہ ریڈی میڈ (READY
MAID) کپڑوں کی دوکان میں گھس گیا اور
جلدی سے دکان سے نمونہ کے کپڑے پہن کر نمائشی مجسموں کے
ساتھ بے حس و حرکت کھڑا ہوگیا۔ اس طرح اس کا خیال تھا کہ وہ
پولیس کو چکمہ دے سکے گا۔ لیکن اس کے ناک پر مکھی بیٹھنے سے سارا
بھانڈا پھوٹ گیا۔ جیسے ہی اس نے مکھی کو اڑانے کے لئے ہاتھ
اٹھایا پولیس نے اسے گرفتار کر لیا۔

— ۵ —

۱۹۳۹ء کے آخری مہینوں کی بات ہے :۔

امرت سر جیل قیدیوں کی تعداد سے ہمیشہ تنگ رہتی تھی۔
موسم سرما کی ایک شام کا ذکر ہے کہ تمام حوالاتی اپنے اپنے گرد و
بنائے ٹہل رہے تھے۔ گنتی کا وقت قریب ہو رہا تھا۔ کہ اچانک
پٹاخے کی آواز سے تمام جیل متحرک ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد شور ہوا

Marfat.com

کہ جیل کی گنتی پوری نہیں ہو رہی۔ پھر سے تمام قیدیوں کا شمار ہوا۔ مگر کمی برابر ہونے میں نہ آئی تین آدمی کم ہو رہے تھے یہاں تک کہ شام رات میں تبدیل ہو گئی۔

ڈاکوؤں کا ایک گروہ جس کے تین آدمی پولیس گرفتار کر چکی تھی اپنے ساتھیوں کو جیل سے چھڑا لینے میں کامیاب ہو گئے۔

بھاگنے سے کچھ دیر پہلے وہ اپنے گروہ سے ملاقات کر چکے تھے۔ لوہے کی ایک موٹی سلاخ نے ان کا ساتھ دیا جب دیوار سے رسہ باندھ کر پرلی طرف پھینکا گیا تو یہ سلاخ اس سے باندھ دی گئی تینوں ڈاکو ایک دوسرے کا سہارا لے کر سلاخ اور رسہ کے ساتھ چمٹ گئے۔ باہر کے گروہ نے رسہ کھینچا۔ گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ سوار ہو کر بھاگنے سے پہلے ایک پٹاخہ چھوڑ گئے یہ ان دوستوں کی اطلاع کے لئے تھا جنہوں نے انہیں بھاگنے میں مدد دی تھی۔

۴

اگست ۱۹۵۳ء کے پہلے ہفتہ میں لائل پور جیل سے :-

مرمت پنجہ میں ایک قیدی کام کر رہا تھا۔ نہ جانے اسے کیا خیال آیا کہ قیدیوں کے لباس میں محافظ کی آنکھ بچا کر بھاگ نکلا تیسرے

Marfat.com

دن یہ قیدی، اپنے گھر سے گرفتار کر لیا گیا۔ جب اس سے سوال کیا گیا کہ تجھے بیٹھے بٹھائے یہ کیا مذاق سوجھا تو وہ مسکرایا اور اس نے ایک بیان دیا لیکن وہ کاغذ پھاڑ دیا گیا اور اس کی جگہ ایک نیا بیان تجویز کیا گیا۔ کہ میرا گھر جانیکو جی چاہتا تھا میں چلا گیا۔

جیل سے فرار کی سزا مختلف نوعیت کی ہوتی ہے۔ دیوار پھاند کر جانے والے کو الگ سزا ملتی ہے باہر پہرہ سے بھاگنے والے قیدی کو الگ سزا دی جاتی ہے۔ ڈیوڑھی سے بھاگنے کی کوشش میں اور قسم کی سزا ہوتی ہے یہ سزائیں دو ماہ سے لیکر چھ ماہ تک ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ ایسے قیدیوں کے مقدمے عدالت میں بھیجے جاتے ہیں اور بعض دفعہ جیل حکام خود ہی فیصلہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

جیل اور رشوت

حکومت کی دیکھ بھال کے باوجود رشوت ہمارے ملک میں ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔ اس بیماری میں ہر محکمہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی انتہائی کوشش میں مصروف ہے۔

جیل خانہ ایک ایسا محکمہ ہے جس کی رشوت نہ بند ہو سکتی ہے اور نہ پکڑی جا سکتی ہے حالانکہ اس رشوت کے گواہ ہوتے ہیں لیکن وقت پر گواہ ہی سلطانی گواہ بن کر انکار کر دیتا ہے۔ اس گواہی سے قیدی کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے اس کی تمام قید افسروں کے ظلم کا نشانہ بن جاتی ہے۔

یوں تو جیل خانے میں رشوت کے بیسیوں طریقے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے ہیں جن کا آغاز قیدی کے جیل میں داخلے کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے۔

Marfat.com

کہ جیل کی گنتی پوری نہیں ہو رہی۔ پھر سے تمام قیدیوں کا شمار ہوا۔ مگر کمی برابر ہونے میں نہ آئی تین آدمی کم ہو رہے تھے یہاں تک کہ شام رات میں تبدیل ہو گئی۔

ڈاکوؤں کا ایک گروہ جس کے تین آدمی پولیس گرفتار کر چکی تھی اپنے ساتھیوں کو جیل سے چھڑا لینے میں کامیاب ہو گئے۔

بھاگنے سے کچھ دیر پہلے وہ اپنے گروہ سے ملاقات کر چکے تھے۔ لوہے کی ایک موٹی سلاخ نے ان کا ساتھ دیا جب دیوار سے رسّہ باندھ کر پرلی طرف پھینکا گیا تو یہ سلاخ اس سے باندھ دی گئی تینوں ڈاکو ایک دوسرے کا سہارا لے کر سلاخ اور رسہ کے ساتھ چمٹ گئے۔ باہر کے گروہ نے رسّہ کھینچا۔ گھوڑے تیار کھڑے تھے۔ سوار ہو کر بھاگنے سے پہلے ایک پٹاخہ چھوڑ گئے یہ ان دوستوں کی اطلاع کے لئے تھا جنہوں نے انہیں بھاگنے میں مدد دی تھی۔

۴

اگست ۱۹۵۳ء کے پہلے ہفتہ میں لائل پور جیل سے :۔

مرمت پنجہ میں ایک قیدی کام کر رہا تھا۔ نہ جانے اسے کیا خیال آیا کہ قیدیوں کے لباس میں محافظ کی آنکھ بچا کر بھاگ نکلا تیسرے

Marfat.com

دن یہ قیدی، اپنے گھر سے گرفتار کر لیا گیا۔ جب اس سے سوال کیا گیا کہ تجھے بیٹھے بٹھائے یہ کیا مذاق سوجھا تو وہ مسکرایا اور اس نے ایک بیان دیا لیکن وہ کاغذ پھاڑ دیا گیا اور اس کی جگہ ایک نیا بیان تجویز کیا گیا۔ کہ میرا گھر جانیکو جی چاہتا تھا میں چلا گیا۔

جیل سے فرار کی سزا مختلف نوعیت کی ہوتی ہے۔ دیوار پھاند کر جانے والے کو الگ سزا ملتی ہے باہر پہرہ سے بھاگنے والے قیدی کو الگ سزا دی جاتی ہے ڈیوڑھی سے بھاگنے کی کوشش میں اور قسم کی سزا ہوتی ہے یہ سزائیں دو ماہ سے لیکر چھ ماہ تک ہوتی ہیں۔ بعض دفعہ ایسے قیدیوں کے مقدمے عدالت میں بھیجے جاتے ہیں اور بعض دفعہ جیل حکام خود ہی فیصلہ کرتے ہیں۔

Marfat.com

جیل اور رشوت

حکومت کی دیکھ بھال کے باوجود رشوت ہمارے ملک میں ایک رسم بن کر رہ گئی ہے۔ اس بیماری میں ہر محکمہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی انتہائی کوششوں میں مصروف ہے۔

جیل خانہ ایک ایسا محکمہ ہے جس کی رشوت نہ بند ہو سکتی ہے اور نہ پکڑی جا سکتی ہے حالانکہ اس رشوت کے گواہ ہوتے ہیں لیکن وقت پر گواہ ہی سلطانی گواہ بن کر انکار کر دیتا ہے۔ اس گواہی سے قیدی کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے اس کی تمام قید انسرو[illegible] کر کا[illegible] سہ بن جاتی ہے۔

یوں تو جیل خانے میں رشوت کے بیسیوں طریقے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے ہیں جن کا آغاز قیدی کے جیل میں داخلے کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے۔

Marfat.com

۱

قیدی کو دس دن تنہائی کوٹھڑی میں رکھنا ضروری ہوتا ہے دنیا سے مانوس آدمی کو جیل کے خوف و ہراس میں۔ تنہائی میں بند کرتا اس کے حواس کھو دیتا ہے پھر وہ سہارے تلاش کرتا ہے ' سے حواس باختہ دیکھ کر نمبردار یا ملازم اس کے گرد چکر کاٹنا شروع کرتے ہیں قیدی اپنی نجات کے لئے دونوں سے گفتگو کرتا ہے۔ آخر نمبردار، ملازم کو قیدی کی امداد پر مجبور کرتا ہے۔ چنانچہ

قیدی کسی نہ کسی طرح جو رقم اپنے ساتھ اندر سے آیا تھا وہ بھینٹ چڑھائی جاتی ہے۔ تب اسے عارضی رہائی نصیب ہوتی ہے۔

اس سے یہ ہوتا ہے کہ قیدی سارا دن کوٹھڑی میں بند رہنے کی بجائے ہمہ اوقات کھلا رہتا ہے۔ اگر کسی آفیسر کے آنے کی اطلاع مل جائے تو اسے بند کر دیا جاتا ہے ورنہ پہلے دن وہ اپنی کوٹھڑی کے سامنے۔ دوسرے دن ذرا دور آہستہ آہستہ وہ اپنے احاطہ میں گھومتا پھرتا ہے۔

۲

دس دن کے بعد قیدی کو مشقت کے لئے جب ڈاکٹر اور سپرنٹنڈنٹ کے روبرو لایا جاتا ہے اس کی صحت کے مطابق مشقت تجویز کی جاتی ہے پہلے دن قیدی مشقت کے لئے کارخانے پہنچتا ہے تو دس سیر وزنی

Marfat.com

کا گٹھر دیکھ کر اس کے ہوش گم ہو جاتے ہیں قیدی مونج کوٹنے کا
عادی نہیں مگر قانون کا کہنا ہے کہ یہ مشقت شام تک پوری کرو۔
آخر نمبردار سے بات ہوتی ہے وہ ملازم سے بات طے کرتا ہے قیدی
اپنے ورثا کو خط بھی ملازم کی گرہ سے خرید کر تحریر کرتا ہے قیدی
صرف اپنا پتہ بتا دیتا ہے قیدی کے وارث ملاقات پر آتے ہیں تو
ملازم موقع پر موجود ہوتا ہے آمنے سامنے بات ہوتی ہے بس پھر قیدی
دن بھر آزاد ہوتا ہے۔ اس کی مشقت کسی لاوارث قیدی کے سپرد
ہو جاتی ہے۔ اس بات چیت میں ملازم اور نمبردار برابر کے شریک ہوتے ہیں

۳

عموماً پنجاب کے دیہات میں جو فسادات ہوتے ہیں اس میں بڑے
زمینداروں کا ہاتھ کام کر رہا ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ جیل جاتے ہیں
تو ان کی پشت پناہی ایسے ہی لوگ کرتے ہیں۔ جو ہزاروں میل لمبی
اراضی کے مالک ہوتے ہیں اگر ان کے مقدمات پر ہزاروں اور لاکھوں
کی رقم صرف ہوتی ہے تو دوسری طرف اپنے قیدیوں سے بھی غافل نہیں
ہوتے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل ملاقات کے طریقے سوچے جاتے ہیں۔
پہلی ملاقات ہی کام کر جاتی ہے۔
زمیندار گھر سے ایک بھینس الگ سپرنٹنڈنٹ صاحب کی کوٹھی پر لا کر

Marfat.com

باندھ دی جائے تو اس میں حرج ہی کیا ہے دو چار کنستر گھی کے اگر
سپرنٹنڈنٹ کے بچوں کے لئے بھیج دیئے جائیں تو زمیندار کے ہاں
کونسی کمی واقع ہو جائیگی بیس پچیس من گندم تو معمولی بات ہے۔
ایسے قیدی عام طور پر سپرنٹنڈنٹ اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے اردلی
مقرر ہوتے ہیں۔ ع

سیّاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا

یہ لوگ جیل خانوں میں سیاہ و سفید کے مالک ہوتے ہیں۔

۴

قیدی کی ملاقات کے لئے وقت مقرر ہے مگر دور سے آنے والا اگر وقت
پر نہیں آتا تو اسے دوسرے دن کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔
سمجھدار لوگ ایسے وقت دربان سے ملاقات کر لیتے ہیں۔
ملاقات سے پہلے ڈیوڑھی کے نمبردار سے بات طے کرنا پڑتی ہے۔
خیر ملاقات تو ہو ہی جاتی ہے لیکن آئندہ کے لئے دور سے آنیوالا
مسافر اپنے زادِ راہ میں اضافہ کر کے گھر سے چلتا ہے۔

۵

جیل خانے میں بعض ایسی مشقتیں ہیں جن کے لئے قیدی آفیسروں کی
ہر خواہش پر دم دیتا ہے مثلاً غلہ گودام..... لنگر..... ڈیوڑھی

Marfat.com

ہسپتال.....

یہ وہ جگہیں ہیں جہاں قیدی کو آرام بھی ملتا ہے اور دام بھی۔ لیکن یہاں تک پہنچنے کے لئے قیدی کو بڑی ٹیڑھی راہوں سے گزرنا پڑتا ہے ایسے موقعہ پر اگر قیدی کو باہر سے کمک پہنچ جائے تو بہتر ورنہ اندر سے انتظام کرنے پڑتے ہیں یہ کیا؟

اس کا جواب کسی دوسرے عنوان کے تحت دیکھئے

یہ افسانے نہیں کہ تراشے گئے ہوں بلکہ واقعات اور مشاہدات ہیں جو آئے دن جیل خانوں میں پیش آتے رہتے ہیں۔ اب کہئے ع

ایسی چوری کا پتہ خاک لگائے کوئی

Marfat.com

جیل اور دکانداری

وزیر جیل خانہ کے پارلیمانی سیکرٹری نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے ایوان کو بتایا کہ :-

بعض جیلوں میں بھی دکانوں کا انتظام کیا گیا ہے جہاں سے قیدی اپنی ضرورت کی اشیاء خرید سکتے ہیں۔

(آفاق ۲۔ اپریل ۱۹۵۵ء)

اس کا طریقہ یہ ہے کہ قیدی کے وارث کچھ رقم قیدی کے نام جیل آفیسروں کے پاس جمع کرا دیتے ہیں جیل حکام نے دو آنے۔ چار آنے۔ آٹھ آنے۔ ایک روپیہ کی پرچیاں چھاپ رکھی ہیں۔ یہ پرچیاں ان قیدیوں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں جن کی رقم جمع ہوتی ہے۔ بوقت ضرورت قیدی دکاندار کو یہ پرچی دے کر حسب ضرورت

Marfat.com

اشیاء خرید سکتا ہے۔

یہ انتظام قابل تعریف ہے لیکن ابھی عام نہیں کیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ وہ کونسی ایسی چیز ہے جو قیدی خرید سکتا ہے؟

وزیر جیل خانہ کے پارلیمانی سیکرٹری کو شاید علم نہ ہو کہ جیل خانوں میں پہلے بھی دکانیں تھیں قیدی کو اس کی ضرورت کی چیزیں پہلے بھی میسر آتی تھیں اور آج بھی! وہ ہیں ۔ چرس ۔ افیون ۔ بھنگ ۔ سگریٹ اور ماچس اکثر قیدی گھی اور گڑ کے بغیر زندہ رہ سکتے ہیں مگر چرس اور افیون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے یہ ہیں قیدی کی ضرورت کی چیزیں اور یہ اشیاء جیل خانوں میں ان چار ٹھکانوں سے عام مل سکتی ہیں۔

دھوبی خانہ (یہ کھاتہ بظاہر قیدیوں کے کپڑے دھونے کے لئے ہے لیکن انہیں جیل حکام کے کپڑے دھونے سے ہی فرصت نہیں ہوتی)

لنگر .... ہسپتال .... غلہ گودام

ان جگہوں پر افسران کم آتے ہیں۔ اور ایسے بھی تو ان جگہوں کی تلاشی نہیں ہوتی اگر تلاشی ہو بھی۔ تو یہاں پناہ گاہیں کافی ہوتی ہیں۔

ان چیزوں کی ۔۔۔رست دے اور باہر سے مہیا کرنے میں قیدی کا ہاتھ پچیس فیصد ہوتا ہے افیون اگر باہر پانچ روپے تولہ فروخت ہوتی ہے تو جیل خانے میں نو روپے تولہ بڑی آسانی سے مل سکتی ہے ۔ چرس بھی اسی حساب سے۔

Marfat.com

سگرٹ کی ڈبیا اگر باہر چار آنے میں مل سکتی ہے تو یہاں کے دکاندار چھ آنے میں فروخت کرتے ہیں۔

اس سے میری مراد یہ نہیں کہ حکومت قیدیوں کو ایسی چیزیں مہیا کرے بلکہ میں نے نشاندہی کی ہے تاکہ ان کا انسداد ہو سکے۔

Marfat.com

جیل اور عبادت

انسان کے لئے خدا کی عبادت اسی طرح لازمی ہے۔ جس طرح زندہ رہنے کے لئے سانس۔ مگر انسان اس حقوق کو مصیبت کے وقت پورا کرتا ہے حالانکہ بے غرض عبادت انسانی زندگی کا خوبصورت زیور ہے۔

جس قدر عبادت جیل خانوں میں ہوتی ہے اگر اس کا ایک تہائی حصہ بغیر غرض کے ہو تو ایسی تمام زنجیریں کٹ جائیں جن میں آج بنی نوع انسان گرفتار ہے۔ مگر اس عبادت میں غرض اور ریاکاری پیش پیش ہوتی ہے اس لئے جیل خانے کی [illegible] قیدی کو نہ ماضی کے گناہ سے نجات دے سکتی ہے اور نہ اس کے مستقبل کے لئے کارآمد ہوتی ہے۔

حوالاتی ہو یا قیدی جیل خانے میں داخل ہوتے ہی گھر والوں کو

Marfat.com

قرآن کریم اور تسبیح مہیا کرنے کی تاکید کرتا ہے گلاب سنگھ کے چھاپے خانے کا قرآن مجید اور لکڑی کی تسبیح جیل خانے میں قیدی کا زیور ہوتے ہیں۔

موت کی سزا ہو تو قرآن مجید تسبیح اور نماز بیک وقت حرکت میں رہتے ہیں ورنہ صبح قرآن مجید اور تسبیح دن بھر اپنا کام کرتی رہتی ہے۔ مگر اپیل تک اپیل اگر منظور ہو جائے تو گھر والوں کو داد ملتی ہے۔ وکیل کی تعریف ہوتی ہے اگر نامنظور ہو تو خدا سے گلہ اور شکایت اور یہ کہہ کر کہ خدا کو یہی منظور تھا۔ تسبیح نماز قرآن کریم تینوں گلدستہ طاق نسیان بن جاتے ہیں اور پھر یہ تینوں قیدی کا منہ تکتے رہتے ہیں۔

Marfat.com

سیاسی قیدی

اختلاف مزاج میں ہو یا رائے میں دونوں طرح سے برسر اقتدار طبقہ کیلئے غیر مفید ہوتا ہے۔ اور ان دونوں میں ہمیشہ سے جنگ رہی ہے۔ اگر مزاج کسی طرح مرعوب ہو کر نظام حکومت کے تابع ہو گیا ہے تو رائے نے اپنے لئے الگ پناہ ڈھونڈ لی ہے اگر رائے حکومت میں برابر کی شریک ہے تو مزاج نے برہم ہو کر بغاوت کی آگ کو دامن دل سے ہوا دینا شروع کر دی۔

نہ صرف انسانی وجود بلکہ کائنات کا نظام بھی مزاج اور رائے دونوں ستونوں پر قائم ہے۔ ان میں اگر یگانگت نہ ہو تو یہ گاڑھی دو قدم نہیں چل سکتی اسی طرح راعی اور رعایا کے درمیان خلیج حائل ہوتی ہے۔ اگر رعایا کی رائے راجہ کے مزاج سے ٹکراتی ہو تو ملک کا امن بغاوت کی آگ میں جل کر راکھ ہو

Marfat.com

جائے گا۔ بس یہیں سے سیاسی ذہنوں کی پرورش شروع ہوتی ہے۔ اور دونوں کے راستے جدا جدا ہو جاتے ہیں۔

حکومت پارٹی کی ہو یا شخصی اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ سیاسی قیدی ایک غیر معمولی حیثیت کا مالک ہوتا ہے گو قیدی کے وقار سے وقار سلطنت کو ایذا پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے تاہم اس پر تشدد سے نہ قیدی کا وقار کم ہوتا ہے نہ وقارِ سلطنت ہی بچ سکتا ہے۔

انگریز کی عملداری میں پاک و ہند کی آزادی کے لئے جس قدر سیاسی لڑائیاں لڑی گئیں ان میں تشدد کی لڑائیاں ہوں یا نمکین ستیہ گرہ سب کیلئے جیل خانے آباد کرنے پڑے اگر ایسے لوگ باغی کہلاتے تو بھی بڑی بات تھی حالانکہ اپنے وطن کے لئے لڑنے والے باغی نہیں ہو سکتے لیکن غیر ملکی حکمرانوں نے ایک مدت تک ایسے لوگوں کو چور اور ڈاکوؤں میں شمار کیا۔ جیل خانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ محب وطن قیدیوں کے ساتھ انگریزی قانون نے آپے سے باہر ہو کر جو سلوک کیا آج بھی دم دم (کلکتہ) سے لے کر پشاور تک کے جیل خانے کی دیواریں ان سے لرزہ براندام ہیں۔

برطانوی سیاست دانوں نے متحدہ ہندوستان کے پولٹیکل قیدیوں سے جنگیوں کا کام لینا بھی ان کی عزت خیال کیا۔

تاریخ کا یہ بھی ایک حصہ ہے کہ اگر کوئی انگریز شراب نوشی قتل یا زنا میں گرفتار

Marfat.com

ہوکر جیل میں آیا ہے تو اس کے لئے یورپین وارڈ میں کمن ٹوس چائے انڈے ڈیل روٹی کا باقاعدہ انتظام ہوتا تھا۔ یہ وارڈ ہنوز پنجاب کی جیلوں میں موجود ہیں۔ اور اس کے مقابل مولانا حسرت موہانی، گنگا دھر راؤ تلک۔ بابا خضر محمد غاندی۔ مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا محمد قاسم نانتوی۔ بابا گوردت سنگھ ایسے رہنمایانِ وطن کو کوئیں میں اُلٹا لٹکایا جاتا تھا۔ پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر دن بھر گرمی کے موسم میں دھوپ میں ڈال دیا جاتا تھا۔ چنوں کی روٹی گھاس پھوس کے ساتھ دی جاتی تھی۔ یہی خوراک اس زمانہ میں عام اخلاقی قیدیوں کی تھی۔

مہاتما گاندھی یا کسی ہند کی جیلوں کی تاریخ میں پہلے سیاسی قیدی ہیں جنہیں عام قیدیوں سے ہٹ کر قدرے بہتر خوراک دی گئی۔

۱۹۱۹ء کے بعد پنجاب کی جیلوں میں سیاسی قیدیوں کے لئے سپیشل کلاس مقرر ہوئی چنانچہ خلافت اور ترکِ موالات کے مشترک سیاسی قیدیوں کو ان دنوں میانوالی جیل میں حسب ذیل خوراک دی جاتی تھی۔

۱۔ گھی	ایک چھٹانک
۲۔ چینی	ایک "
۳۔ چائے کی پتی	۱/۸ "
۴۔ گوشت	پاؤ بھر

Marfat.com

۵۔ گوشت کی جگہ انڈے یا دہی دودھ بھی لے سکتے تھے ان کے علاوہ آٹا لکڑی مرچ نمک اور دوسری چیزیں۔ یہ خوراک اس زمانے میں تقریباً ۹ کی بنتی تھی جبکہ عام قیدیوں کی خوراک ایک آنہ چھ پائی تھی۔ مگر یاد رہے اس خوراک کے مستحق عام سیاسی قیدی نہیں تھے بلکہ تین قسم کے گروہ مقرر تھے۔ اول وہ جو ٹکیس گزار تھے۔ دوئم گریجوایٹ آخری درجہ ان لوگوں کا تھا جنہیں پلک پوزیشن حاصل تھی

ظاہر ہے کہ ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء کے زمانہ میں پاک و ہند کے بہت کم لوگ اس درجہ کے تھے چنانچہ اس امتیازی حیثیت کے قیدیوں کی تعداد انگلیوں پر شمار کی جاسکتی تھی لیکن اس کلاس سے یہ ضرور ہوا کہ جیلوں میں قیدیوں کی ایک نئی قسم نظر آنے لگی اور یہ سلسلہ ۱۹۲۷ء اور ۱۹۲۸ء تک رہا۔

انہیں برسوں میں بھگت سنگھ اور ان کے ساتھی لاہور بورسٹل اور سنٹرل جیل میں مقید تھے۔ انہوں نے حکومت کے اس اقدام کے خلاف یعنی جیل خانوں میں سیاسی قیدیوں کے درمیان امتیاز کے خلاف احتجاجاً بھوک ہڑتال شروع کی تاکہ تمام سیاسی قیدیوں کو بہتر کلاس میں رکھا جائے۔ اس جدوجہد میں کافی نوجوانوں کی صحتیں برباد ہوئیں اور بنگال کا ایک نوجوان جتندر ناتھ داس ۶۱ دن کی بھوک ہڑتال سے بورسٹل جیل میں فوت ہوگیا۔ اس قربانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کی طرف سے ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں غیر سرکاری ممبر چوہدری افضل حق مرحوم مولانا مظہر علی اظہر اور سر منوہر لال بھی شامل تھے۔ گو یہ کمیٹی قیدیوں کے لئے کچھ کر تو نہ سکی۔

Marfat.com

تاہم ۱۹۳۰ء کی سول نافرمانی کے سلسلہ میں جب لوگ جیلوں میں گئے تو سیاسی قیدیوں کو تین کلاسوں میں منقسم پایا۔

۱۔ اے کلاس ۔ اس کلاس کے قیدی اسی خوراک کے مستحق تھے جو گزشتہ برس میانوالی جیل میں ملتی رہی البتہ یہ قیدی ذاتی طور پر دو صد روپیہ ماہوار تک خرچ کر سکتے تھے۔ یہ رقم جیل کی خوراک کے علاوہ ہوتی تھی۔

۲۔ یہ بی کلاس تھی۔ اس کی خوراک اور اول الذکر کی خوراک میں کوئی فرق نہیں تھا مگر اس کلاس کے قیدی ضروریات کی کوئی چیز باہر سے نہیں منگوا سکتے تھے۔

۳۔ تیسرے وہی عام قیدیوں کی کلاس تھی جس میں ایک آنہ چھ پائی کی خوراک دی جاتی تھی اگرچہ اس تفریق کے باعث پنجاب کی جیلوں میں وقتی طور پر انتشار پھیلا لیکن حکومت نے اے اور بی کلاس کے قیدیوں کو نیو سنٹرل جیل ملتان اور نیو ڈسٹرکٹ جیل گجرات میں رکھنے کا فیصلہ کر لیا لہذا اس ہنگامہ کی عمر بہت کم نکلی۔

سی کلاس کے سیاسی قیدیوں سے وہی سلوک ہوتا تھا جو چوروں ڈاکوؤں سے یعنی چکی پیسنا کولہو چلانا مونجھ کوٹنا بان بٹنا کنواں چلانا۔ جگائی اور سرکی کوٹنا وغیرہ اہم مشقتیں لی جاتی تھیں لباس اور خوراک میں بھی کوئی امتیاز نہ تھا۔

کسی تحریک [illegible] سے وہ [illegible] سیاسی کارکن مقدمہ میں جیل چلا جاتا تھا تو حکام جیل اس قدر بدسلوک کرتے کہ شاید ہی کسی سنگین مجرم سے ایسا سلوک جیل میں ہوا ہو۔

سیاسی قیدیوں پر گزشتہ ایک صدی سے جو تشدد جیل کی چار دیواری میں ہوا تاریخ کے ابواب اس سے قطع بے خبر نہیں جیل خانے کے قانون نے جی بھر کہ ان پر حوصلہ آزمایا۔ کڑی سے کڑی مشقت۔ ظالم سے ظالم سزا اور بڑے سے بڑا عذاب اس جہنم کدہ میں وطن عزیز کی محبت میں اسیرانِ فرنگ کو جھیلنے پڑے۔ اگر جیل سے باہر پولیس نے ان پر لاٹھی برسائی تو جیل کے اندر حکام جیل نمبردار اور وارڈروں کی جمعیت لے کر ان پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور اس قدر پیٹا جاتا کہ اج سال ہا سال گذر جانے پر بھی اکثر لوگوں کے جسم میری بات کی شہادت دیں گے۔

سنہ ۱۹۴۳ء میں ملتان اولڈ سنٹرل جیل میں محض ایک نعرہ کی بنا پر سیاسی قیدیوں کو اس بے دردی کے ساتھ پیٹا گیا کہ ان کے زخم رستے رستے ناسور بن گئے تھے سردی کا موسم تھا اور مارنے والوں نے بغیر طبی امداد کے تمام زخمیوں کو بارکوں میں بند کر دیا اور دو ماہ تک کوئی طبی امداد نہ دی گئی نتیجہ یہ ہوا کہ معمولی درد بھی بڑھتے بڑھتے زندگی بھر کا روگ بن گیا نہ دھوپ تاپنے کی اجازت تھی نہ باہر نکل کر کھانے کی کپڑوں میں جوئیں چلنی لگی جسم کی میل نے زخموں پر تیزاب کا کام کیا۔ رات رات بھر درد کی شدت سے کراہتے گذر جاتی تھی یہ سزا صرف انقلاب زندہ باد کہنے کی تھی یاد رہے یہ زمانہ سر سکندر حیات کی وزارت کا زمانہ تھا۔

اولڈ سنٹرل جیل کے حکام شاید یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ انقلاب زندہ باد ہو کر رہے گا اور ظلم کی یہ ساری داستان آئینہ کی طرح وہ اپنے روبرو پائینگے۔ وقت گذر

Marfat.com

گیا زخم اچھے ہو گئے مگر نہ وزارت ہی رہی نہ دھقان اولڈ سنٹرل (۱) جیل

(۱) یہ جیل اب ایک کارخانے میں تبدیل ہو چکی ہے)

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی

جو رہا تو نام حسین کا جسے زندہ رکھتی کربلا

آج کل جیل خانہ کے نقشہ میں جو تبدیلیاں نظر آ رہی ہیں یہ انہیں قیدیوں کا ثمر ہے حال کا جیل خانہ ماضی کے مقابل ایک آرام دہ سرائے سے زیادہ دکھائی دیتا ہے ۱۹۴۷ء کے اوائل خضر وزارت کے خلاف جن لوگوں کو جیل جانا پڑا۔ ان کی معیاد اسیری جمعہ جمعہ آٹھ دن ہے۔ اس عرصہ میں انہیں جیل خانوں میں جو سہولتیں میسر آئیں شاید ان میں سے اکثر کو اپنے گھروں میں بھی میسر نہ ہوں لیکن آج جب وہ اپنی تاریخ بیان کرتے ہیں تو میں ہنس دیتا ہوں۔

کے آمدی اور کے پیر شدی

جن لوگوں کے خون ناحق سے اس تصویر میں جان پڑی ہے وہ کسی کو یاد بھی نہیں لیکن یہ بنے بنائے گھر میں آرام کرنے والے ساری تحریک کے خود مالک بن بیٹھے ہیں۔ ۱۹۴۰ء کے آخر میں جب دوسری جنگ عظیم کا اعلان ہوا۔ تو تمام سیاسی کارکنوں کو جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ ان دنوں سر منوہر لال وزیر جیل خانہ تھے۔ انہوں نے سیاسی قیدیوں کی خوراک میں نئے سرے سے تبدیلی کی۔ سب کو بہتر کلاس میں رکھنے کا حکم دیا۔ مہنگائی کا زمانہ تھا ان دنوں اس خوراک کی قیمت ایک روپیہ چار آنے تھی۔

Marfat.com

۱۔ گھی ڈیڑھ چھٹانک
۲۔ چینی ایک چھٹانک
۳۔ دودھ پاؤ بھر
۴۔ گوشت پاؤ بھر

لکڑی۔ سبزی۔ آٹا۔ مرچ۔ نمک وغیرہ۔ اس خوراک سے پونے تین آنے بچتے تھے۔ ہفتہ بھر کی اس جمع شدہ رقم سے بادام گھی اور کبھی کبھار پھل منگوانے کی اجازت تھی۔ جو لوگ گوشت کے عادی نہیں تھے وہ دودھ زیادہ لیتے تھے۔

اپنے خرچ پر باہر سے ہر چیز منگوانے کی عام اجازت تھی۔ اس کے لئے کوئی رقم متعین نہیں تھی۔ اس سے پیشتر سیاسی نظر بندوں کے لئے دیولی کیمپ بنایا گیا تھا جہاں ملک بھر کے سیاسی دھر کر رکھے گئے تھے۔ انہیں ۹، روزانہ کی خوراک اور بیس روپیہ ماہوار ذاتی خرچ کے لئے ملتے تھے۔ جس سے نظر بند اپنی ضروریات زندگی خرید سکتے تھے۔

دیولی کیمپ اجمیر سے ۵ میل دور اور سی۔ پی لائن کے اسٹیشن کوٹہ گوندی سے ۵ میل دور ایک قصبہ کا نام تھا جہاں بارہ بارہ کوس تک کتا بھونکنے کی آواز سنائی نہیں پڑتی تھی۔ یہ جگہ پہلے فوجی کیمپ تھا بعد میں اسے سیاسی نظر بندوں کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔ کئی سو میل کے اردگرد خاردار تاروں کا حلقہ سا بنا کر اس کے مختلف کونوں میں مچان بنا کر فوجی متعین کر دیئے گئے تھے جن کی نوکری ہر تین گھنٹے کے بعد

Marfat.com

تبدیل ہوتی رہتی تھی۔ یہاں ہر ہفتہ ٹھیکیدار دوکانیں لے کر آجاتے اور نظر بند حسب ضرورت پرچی دے کر چیزیں خریدتے بعد میں یہ رقم ٹھیکیدار گورنمنٹ سے وصول کرتا پھر نظر بند اپنے اپنے صوبوں کی جیلوں میں منتقل کر دیئے گئے چھ سال کے بعد جب لڑائی ختم ہوئی تو یہ لوگ رہا ہوئے۔ یہ ۱۹۴۶ء کے وسط کا ذکر ہے۔

جب سر خضر حیات ٹوانہ نے اپنی وزارت ترتیب دی تو لالہ بھیم سین سچر وزیر جیل خانہ بنائے گئے انہوں نے ایک طرف سیاسی قیدیوں کی ۱۹۳۹ء والی پوزیشن کو برقرار رکھا دوسری طرف جیل خانوں سے کولہو۔ خراس۔ چکی۔ سرخی جیسی انسانیت سوز مشقتوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔

تقسیم ملک کے بعد حالات نے نئی کروٹ لی اور اس کے ساتھ ہی جیل خانوں کے قوانین میں چند اہم تبدیلیاں ہوئیں جن کا ذکر زیر کتاب کے گزشتہ صفحات پر آچکا ہے۔ لیکن سیاسی قیدیوں کے مقصد جوں کے توں رہے۔ ۱۹۵۲ء کے آخر میں جب پاکستان کی جیلوں میں جانے کا موقعہ ملا۔ تو حالات پہلے سے بھی بدتر پائے گئے باوجود یہ کہ قانون وہی پرانا اور تجربہ کار تھا۔ مگر نئے آئین کے آتے ہی ان میں ایسی ابتری پھیلی کہ کباب شیشے میں ڈال شراب سیخ پر۔

سیفٹی ایکٹ کی دفعہ نمبر ... کے ماتحت جن لوگوں کو گرفتار کیا جاتا ان کیساتھ جیل خانہ میں بی کلاس کے قیدیوں کا سلوک ہوتا یہ پاکستان گورنمنٹ کا آئین تھا۔ تاریخ تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں جو لوگ جیلوں میں گئے ان کی دو قسمیں تھیں۔

Marfat.com

اول وہ جو قانون کی خلاف ورزی میں پکڑے گئے اور سزایاب ہوئے دوسرے نظربند جنہیں پولیس گھروں سے اسیفٹی ایکٹ دفعہ ۳ کے تحت پکڑ لائی تھی۔ اول الذکر میں اکثر وہ لوگ تھے جنہیں انگریزی عہد میں ہمیشہ بی کلاس ملتی رہی۔ لیکن جب یہی لوگ ختم نبوت کے نام پر اسلامی ریاست کے جیل خانوں میں آئے تو ان سے تیسری کلاس کے قیدیوں کا سا سلوک کیا گیا اور نظربندوں کو بی کلاس دی گئی۔

سی کلاس کے سیاسی قیدیوں کو عام قیدیوں کی خوراک دی گئی لیکن اب کی بار بی کلاس کے قیدی کا معیار پہلے سے مختلف تھا۔ ایک روپیہ ۱۰ر کی خوراک دی جاتی تھی۔ جسے اس طرح تقسیم کیا گیا تھا۔

۱۔ گوشت	۳ چھٹانک
۲۔ گھی	ایک چھٹانک
۳۔ چینی	ایک چھٹانک
۴۔ دودھ	آدھ پاؤ
۵۔ لکڑی	دو سیر
۶۔ آٹا	آدھ سیر

۷۔ چائے۔ نمک۔ سبزی۔ مرچ وغیرہ

یہ خوراک قریباً ڈیڑھ ماہ تک ملتی رہی مگر یکایکی ایک دن حکام جیل نے حکام بالا کے حکم پر بی کلاس کے قیدیوں کو ہفتہ میں پانچ دن گوشت اور دو دن

Marfat.com

تین پاؤ دودھ دینے کا فیصلہ کیا۔ تھوڑے دنوں بعد ایک اور پیغام آیا کہ اب بی کلاس کے قیدیوں کو دو آنہ روزانہ کا پھل بھی ملیگا۔ پھر ایک اور حکم ہوا کہ روزانہ ڈیڑھ پاؤ دودھ ملے گا اور گوشت ہفتہ بھر اس اثنا میں یاد رہے کہ پھل صرف دو دن ہی ملا۔ اچانک آئی۔ جی۔ جیل خانہ جات کی تشریف آوری کی اطلاع ملی۔ قیدیوں کو اس آفیسر کے آنے کی بڑی خوشی ہوتی ہے۔ یہ آفیسر قیدیوں کو کٹوتی کے کچھ نہ کچھ دن دے جاتا ہے۔ لیکن اب کے جو تشریف لائے۔ تو بجائے قیدیوں پر نظر کرم کرنے کے سیاسی نظر بندوں سے چارپائیوں کے چھیننے کا آرڈر دے گئے۔

جیل خانہ کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ بی کلاس کے قیدیوں سے چارپائیوں کی مراعات چھین لی گئی ہیں۔ انگریزی عہد اقتدار میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔

خیر..... خط ہفتہ میں دو عہد فی کس ملتے تھے۔ اور ملاقاتیں بھی اسی حساب سے یہ لائل پور جیل کی بات ہے۔

راولپنڈی جیل میں آئے تو اس سے مختلف نظام پایا۔ خوراک:

گوشت	۳ چھٹانک روزانہ (ہفتہ میں ۵ دن)
گھی	۱ چھٹانک
چینی	½ چھٹانک
گڑ	½ چھٹانک
دودھ	ادھ پاؤ برائے چائے

Marfat.com

چائے کی پتی	۱/۸ چھٹانک
لکڑی	دو سیر
آٹا	نصف سیر روزانہ
دودھ	تین پاؤ (ہفتہ میں ۲ دن)

خطوط ہفتہ میں اعدد فی کس۔ تھوڑے دنوں میں ہفتہ میں دو علاوہ فی کس کا حکم ہوا۔ چارپائیوں کی مراعات یہاں بھی چھین لی گئیں مگر اسی جیل میں بی کلاس کے اخلاقی قیدی کے پاس چارپائی بدستور موجود رہی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بی کلاس کے سیاسی نظربندوں سے چارپائیاں چھین لینا پنجاب گورنمنٹ کا حکم تھا یا جناب آئی۔ جی جیل خانہ جات کا اگر یہ حکومت پنجاب کا حکم تھا تو راولپنڈی جیل میں بی کلاس کے اخلاقی قیدی کے پاس چارپائی کیوں رہی۔

اگر یہ حکم خود آئی۔ جی جیل خانہ جات کا ہے کہ صرف سیاسی نظربندوں سے چارپائیاں چھین لی جائیں۔ تو کیا ان کا یہ حکم تحریک تحفظِ ختم نبوت کے نظربندوں سے مذہبی انتظام تو نہیں تھا۔ جیسا کہ ان کے متعلق مشہور ہے کہ وہ قادیانی ہیں۔

راولپنڈی پہنچ کر معلوم ہوا کہ گجرات جیل کے سیاسی نظربندوں کو حسب ذیل خوراک ملتی تھی۔

گوشت	۳ چھٹانک یا اس کی بجائے انڈے

Marfat.com

گھی	۱½ چھٹانک یا مکھن
چینی	۱ چھٹانک
آٹا	۶ چھٹانک یا سوجی کی ڈبل روٹی
چاول	۳ چھٹانک
دودھ برائے چائے	۲ چھٹانک
دودھ	پاؤ بھر روزانہ
لکڑی	دو سیر
سبزی	پاؤ بھر
پھل	۶ آنے ہفتہ بھر میں

یہ تو تھی پنجاب کی مختلف جیلوں میں خوراک کی متضاد روئداد، اب اس سلسلے میں سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ کے ایک خط کی نقل ملاحظہ فرمادیں۔

سیکرٹری پنجاب گورنمنٹ (محکمہ مالیات)

مراسلہ ۷۲۴۴/۵۲/JJ مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۹۵۲ء

راشن سکیل برائے اعلیٰ کلاس نظربندان

آٹا	[illegible] یا آٹھ چھٹانک ڈبل روٹی
دال	۳ چھٹانک

چاول	۳ چھٹانک یا ۴ چھٹانک تک ڈبل روٹی
گوشت	,, یا ۱۰ چھٹانک تک دودھ
گھی یا مکھن	۱ ۱/۲ چھٹانک
چینی	۱ چھٹانک
چائے پتی	۱/۸ چھٹانک
دودھ	چھ چھٹانک
سبزی تازہ	۴ چھٹانک
آلو	۲ چھٹانک
مصالحہ	۱/۴ چھٹانک
نمک	۱/۴ چھٹانک
لائم جوس	۱/۴ چھٹانک
پھل تازہ	۶ آنے ہفتہ بھر

اس خوراک کی کل قیمت ایک روپیہ چودہ آنے پانچ پائی بنتی تھی اور جو خوراک راولپنڈی جیل میں دی جا رہی تھی۔ اس کی قیمت ایک روپیہ ۱۰ آنے بنتی تھی گویا ۴ آنے ۵ پائی کی روزانہ خوراک فی نظر بند کم ملتی رہی۔ یہ حساب صرف راولپنڈی جیل کا تھا۔ باقی

ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا

اس سے آپ اندازہ کریں کہ جب اوپر کی کلاس کے قیدیوں کے ساتھ یہ کچھ ہو سکتا ہے تو عام سی کلاس کے قیدیوں سے کیا کچھ ہوتا ہوگا۔

Marfat.com

کالا پانی

ہندو پاکستان کے درمیان لکیر کھینچے سے پیشتر انگریزی حکومت اپنے مجرموں کو جن کے لئے عدالت حبس دوام کی سزا تجویز کرتی تھی کچھ عرصہ مقامی جیلوں میں رکھنے کے بعد کالا پانی (انڈیمان) بھیج دیا کرتی تھی۔

سکھوں کے عہدِ اقتدار میں ایسے مجرموں کو کالا باغ بھیج دیا جاتا تھا۔ یہ جگہ گھنے جنگلات سے ڈھکی ہوئی بلند و بالا پہاڑوں کے دامن میں باڑہ گلی سے ایک میل آگے اور نتھیا گلی سے تین میل ادھر واقع ہے شاید اسی نسبت سے آج بھی اسے کالا باغ کے نام سے پکارتے ہیں [illegible] یہاں فوجی چھاؤنی ہے۔

۱۷۹۶ء میں جزیرہ انڈیمان کو ایک انگریز لیفٹیننٹ بلیر نے دریافت کیا تھا اس تعلق کی بنا پر اس جزیرے کا نام پورٹ بلیر تجویز ہوا اور حبس دوام کے

Marfat.com

قیدی یہاں رکھے جاتے تھے ان کی پیشانی کھد داکر قیدی کا نام جرم اور لفظ د وام الحبس لکھا جاتا تھا۔ لیکن آب و ہوا کے ناموافق ہونے کے باعث یہ جگہ آباد ہو کر پھر ویران ہو گئی۔

اٹھارہ سو ستاون ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے باعث انگریز حکمرانوں نے مارچ ۱۸۵۷ء میں پھر سے ضرورت محسوس کی کہ اس اجڑی ہوئی بستی کو از سرِ نو آباد کیا جائے چنانچہ سب سے پہلے ان مقدس قیدیوں کو یہاں لایا گیا جنہیں انگریزوں کے خلاف آزادی وطن کے لئے لڑائی لڑنے کے جرم میں پکڑا گیا تھا ان قیدیوں میں مولانا فضل حق خیرآبادی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۱۸۶۱ء میں انکی موت یہیں واقع ہوئی اور آج بھی ان کا مزار اسی سنگلاخ وادی میں درسِ حیات دے رہا ہے۔

جزیرہ انڈمان مدارس سے آٹھ سو میل کلکتہ سے چھ سو میل سنگاپور سے چار سو میل اور پنانگ سے تین سو پچاس میل دور واقع ہے کالے پہاڑوں کا ٹیلا دور سے دیکھنے پر ایسا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے بھینسوں کے جھنڈ کے جھنڈ پانی میں تیر رہے ہیں۔ مونٹ ہریٹ جو سطح زمین سے گیارہ سو سولہ فٹ کی بلندی پر ہے اس کے دامن میں یہ آباد جزیرہ جہاں مئی سے نومبر تک بارش ایک ساتھ ہوتی رہتی ہے لیکن اولے نہیں پڑتے اس کے باوجود موسموں میں کبھی تصادم نہیں ہوا اور یہاں کے باشندے لحاف اور چادر سے ہمیشہ بے نیاز رہتے ہیں۔

اس جزیرے میں قدیم سے ایک وحشی قوم آباد ہے جن کے مرد عورتیں

Marfat.com

ہمیشہ مادرزاد ننگے رہتے ہیں کپڑا انہیں میسر ہی نہیں آتا نہ معلوم یہ لوگ کب سے یہاں آباد ہیں۔ تاہم ان کا بیان ہے کہ

دنیا پر ایک بہت بڑا طوفان آیا تھا اور ساری دنیا ڈوب گئی تھی اور ان جنگلوں کے بزرگ ایک کشتی بنا کر اس پر سوار ہو گئے تھے اور جب یہ طوفان رفع ہوا تو وہ کشتی کسی پہاڑ منجملہ کوہ ہائے انڈیمان میں پڑی تھی۔

قیدیوں کا جہاز انڈیمان پہنچ کر کنارے سے دور لنگر انداز ہوتا تھا بوٹ اور کشتیاں وہاں سے قیدیوں کو روس نام کے ٹاپو پر جو صدر مقام ہے انڈیمان کا لے آتی تھیں ابتدائی کاروائی کے بعد نئے قیدیوں کو مختلف بیرکوں میں بھیجا جاتا تھا۔ یہ بیرکیں کسی چار دیواری میں نہیں بلکہ کھلی فضا میں تعمیر کی گئی تھیں ایک مہینہ کے بعد نئے قیدیوں کی ہتھکڑیاں کاٹ دی جاتی تھیں لیکن مشقت اسی طرح لی جاتی تھی جس طرح پاک و ہند کی جیلوں میں اور انہیں تین ماہ بعد گھر خط لکھنے کی اور اسی ترتیب سے خط منگوانے کی اجازت تھی البتہ ان کے نگران نہ تو فوجی آفیسر ہوتے اور نہ پولیس بلکہ پرانے قیدی ان پر نمبردار ہوتے تھے جن کے سروں پر لال دوپٹہ اور گلے میں چپڑاسی ہوتی تھی۔

چار پانچ برس کے بعد ہر قیدی کو اس کی نیک چلنی کے باعث تنخواہ ملنے لگتی تھی اور خط ایک ماہ بعد۔

Marfat.com

دس برس قید گذرنے پر ہر مرد قیدی ٹکٹ پانے کا مستحق ہوتا تھا یہ ٹکٹ حاصل کرنے کے بعد قیدی آزاد ہو کر یارک سے نکل جاتا تھا پھر یہ شہر اور بستیوں میں رہ کر اپنا کوئی پیشہ کر سکتا تھا اس قسم کے قیدیوں کی پچاس ساٹھ بستیاں پہاڑوں کے دامن میں آباد تھیں جن کا سارا نظام قیدیوں کے سپرد تھا پٹواری نمبردار چوکیدار سب کے سب قیدی تھے جو لوگ کھیتی باڑی کرنے کا ٹکٹ لیتے تھے انہیں پندرہ بیگھہ زمین مفت دی جاتی تھی پھر وہ چاہے ہزاروں روپے پیدا کرے۔ کوئی حساب لینے والا نہیں تھا مگر ٹکٹ حاصل کرنے سے پہلے کوئی قیدی اپنے پاس ایک پیسہ نہیں رکھ سکتا۔ بیس برس گذرنے کے بعد قیدی رہا ہو کر چاہے اپنے وطن واپس چلا جائے۔ یا وہ بیوی بچے منگوا کر کاروبار کرے۔

عورتیں اسی جگہ الگ جزیرے میں قید ہوتی تھیں انہیں بھی اپنی بیرک میں سلائی اور سلائی کا کام دیا جاتا تھا انہیں پانچ برس کے بعد ٹکٹ مل جاتا تھا مگر جو ان عورتیں ٹکٹ پانے تک بیرک سے باہر نہیں نکل سکتی تھیں ٹکٹ حاصل کرنے کے بعد ہر عورت اور مرد کو آزادی حاصل تھی کہ وہ جس سے چاہیں شادی کر لیں یہاں کے قانون اور رسم کے مطابق ٹکٹ حاصل کرنے کے بعد قیدی مرد کو اجازت تھی کہ وہ عورتوں کے ٹاپو میں چلا جاتا اور جس عورت سے وہ شادی کرنا چاہئے کچھ نقد دے دلا کر اسے راضی کر لیں پھر انہیں جزیرے کے کمشنر کے روبرو پیش ہو کر اقرار نامہ تحریر کرنا پڑتا تھا جس میں باہم مل کر رہنے اور آپس کی

Marfat.com

محبت کا قرار ہوتا تھا۔ پھر شادی کے بعد میاں بیوی جیسے چاہیں رہیں قانون کی کوئی دیوار ان کے راستے میں حائل نہیں تھی۔

دوسری بڑی لڑائی میں یہ جزیرہ جاپان کے قبضہ میں چلا گیا تھا مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ جاپانیوں کی بمباری سے قیدیوں پر کیا گزری اور اب یہ جزیرہ بھارت کے نقشہ میں ہے مگر کوئی قیدی وہاں نہیں بھیجا جاتا۔

پاکستان میں عبور دریائے شور کے مجرموں کو پنجاب کی مختلف جیلوں میں رکھا جاتا ہے اور خاص کر نیو سنٹرل جیل ملتان ایسے قیدیوں کے لئے مخصوص ہے۔

Marfat.com

قتل

آدمی اور آدمی کے درمیان دشمنی کی عمر تاریخ کی عمر سے بہت زیادہ ہے پہاڑوں کے غار سمندر کے کنارے تو اس کے گواہ ہو سکتے ہیں۔ مگر کاغذ اور روشنائی کی مرکب تاریخ اس سے تہی ہے۔

آدمی کے لہو سے زمین کا دامن کہاں کہاں سے داغدار ہے۔ اس کیلئے کوہ سینا کے میدان بابل اور نینوا کے ایوان سلطنت مصر کے اہرام عراق کے صحرا اور کربلا کی تپتی ہوئی ریت ہی چشمدید گواہ ہو سکتے ہیں۔ ان کی گرہ میں ہزاروں برس پیشتر کے نقشے بندھے ہوئے ہیں۔ جو انسانی خون کے چھینٹوں سے داغدار ہو رہے ہیں طوفانِ نوح کے بعد دریائے نیل، دجلہ و فرات کے پانی بھی زمین کی چھاتی سے انسانی خون کے دھبے دھونے میں ناکام

Marfat.com

رہے ہیں۔ لہٰذا یہ سوال تاریخ سے نہیں زمین سے پوچھنے کا ہے کہ آدمی اور آدمی کے درمیان دشمنی کی آگ کب سے شعلہ فشاں ہے۔

دنیا کا سب سے پہلا قاتل قابیل ہے جس نے اپنے بھائی ہابیل کو عورت کے انتقام میں قتل کیا۔ ابن آدم کا یہ خون جو زمین کے دامن پر گرا۔ اس کے بعد کا ہر خون اسی خون کی صدائے بازگشت ہے۔

لڑائی مہذب سلطنتیں لڑیں یا گاؤں کمہاٹ دونوں کے موضوع میں جنگ یہ برتر فرق نہیں البتہ طریق کار میں اختلاف تھا۔ ویسے لیکن خونِ انسانی کی ارزانی میں کسی نے دریغ نہیں کیا۔

جب بعد کی لڑائی میں ہزاروں انسانوں کا خون کسی اصول کے لیے نہیں۔ بلکہ عورت کے لیے بہایا گیا۔ کوروؤں اور پانڈوؤں کے درمیان بھی عورت کے حصول کے لیے لڑائی تھی۔ دروپدی، سیتا، قلوپطرہ جیسی ان گنت عورتیں ہوس ویشیوں کی طرح تاریخ پر ثبت ہیں۔ انسانی کھوپڑیوں پر ان کے محل تعمیر کئے گئے۔ آدمی کا خون ان کے عارض پر غازہ بن کر چمکا جس کی روشنی میں صدیوں تک جو بیاں تصویریں صاف نظر آتی ہیں۔

ہوسِ ملک گیری [illegible] مجنونوں نے انسان کو وہ مقام عطا کیا ہے جہاں سے انسانوں کو کھیتوں کی طرح کاٹ پھینکا۔ گھوڑوں کے سموں تلے روندے شیروں کے پنجروں میں ڈالا گیا۔ انسانوں کے

Marfat.com

زہر کی آزمائش کی گئی آگ کے الاؤ میں انسانی چربی نے آگ کے حسن کو جلا بخشی بتوں کو آدمی کے لہو سے خدا بنایا گیا انسانی شرم گاہوں کی پرستش کیلئے آدمی بھینٹ چڑھایا گے ۔

یہ سب کچھ قانون کے سائے میں ہُوا۔ قانون کے لئے ہوا۔ قانون کے نگاہداروں نے کہا دنیا میں ہر چیز کی قیمت ہے۔ لیکن انسانی لہو کی کوئی قیمت نہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو قانون شخصی خون کا محاسبہ کرنے کی بجائے اجتماعی خون کی پشت پناہی کبھی نہ کرتا۔

کوئی ہے ؟ جو امریکہ سے سوال کرے کہ ہیروشیما کے پانچ لاکھ انسانوں کا خون کس کی گردن پر ہے۔

اٹلی کے ایوانوں میں آواز دے۔ کہ حبشہ کی مظلوم آبادی کے خون کا حساب کب اور کہاں دو گے ۔

لندن کے سیاست دانوں کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر پوچھے کہ اے نوع انسان کے خون کے ذمہ دارو تمہارے بجھتے ہوئے چراغ کی عمریں اور کتنی ساعتیں باقی ہیں مگر کوئی نہیں پوچھے گا۔ اس لئے کہ یہ سب کچھ قانون کے سائے میں ہوا۔ قانون کے لئے ہوا۔ اور قانون کے نگاہ داروں نے کیا۔

آج تاریخ کی پیدائش کو برسوں گذر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں زمانہ اپنی رفتار کے ساتھ سنکھ ہا میل کا سفر طے کر کے اس نہج پر جا رہا ہے۔ جہاں فکرِ انسانی مریخ

Marfat.com

سے بھی پرے کے لئے پر تول رہی ہے۔ سمندر کے پانی کو مدت ہوئی۔ کہ وہ کھنگال چکی ہے۔ پہاڑوں کی چھاتیاں انسانی بوجھ سے چیخ اٹھی ہیں انسانی اقتدار۔ اقتدار یزداں کے قریب پہنچ چکا ہے۔

اس مہذب دنیا میں اس تاریخ کی دنیا میں۔ اس علم وسائنس کی دنیا میں انسان کا لہو اسی طرح ارزاں ہے۔ جس طرح تاریخ کی پیدائش سے پہلے تھا انسان کا لہو آج بھی نالیوں میں حیوانوں کے لہو کے ساتھ بہتا ہے۔ انسان کا لہو کل بھی بے قیمت تھا اور آج بھی بے قیمت ہے۔

ماضی میں زن اور زمین بنائے فساد تھے اور آج بھی لاکھوں انسانوں کے خون کی ذمہ داری سے یہ دونوں مُشیتا نہیں کئے جا سکتے۔

آج بھی انسانی لہو کی سرخیوں سے شہنشاہوں کی عبائیں پاک نہیں سلطنتوں کے ایوان آج بھی انسانی لہو کے دھبوں سے خراب ہو رہے ہیں۔ عدالتوں کے کہٹروں سے آج بھی انصاف کے خون کی بُو آ رہی ہے

میدان جنگ سے لیکر عشرت کدوں تک انسانی لہو کی نہریں بہ نکلیں ہیں جن کے کنارے کھڑے ہو کر فرانس کا مشہور افسانہ نگار موس پال (MOS PAL) کہتا ہے

وہ اپنی موت کے وقت عدالت عالیہ کی صدارت کر رہا تھا وہ ایک جج تھا جس کی دیانتداری مسلمہ تھی اور جس کی بے عیب زندگی ....

Marfat.com

فرانس کی سب عدالتوں میں مثالی حیثیت رکھتی تھی جب ایڈوکیٹ بار کے جونیئر ممبر اور دوسرے جج اس کا لمبا زرد اور سنجیدہ چہرہ چمک دار آنکھیں دیکھتے تو اظہار تعظیم کے لئے جھک جاتے۔ اس نے اپنی زندگی جرم کی بے کنی اور ناتوانوں کی حفاظت کیلئے وقف کر رکھی تھی بدمعاشوں اور قاتلوں کا اس سے زیادہ خوفناک دشمن کوئی نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان کی روح کی گہرائیوں میں مخفی راز پڑھ لیتا ہے۔

جب بیاسی سال کی عمر میں اس کی موت واقع ہوئی تو ہر مشہور آدمی نے اظہار عقیدت کیا اور عدالت سے متعلق لوگ اس کی قبر تک ساتھ گئے۔ سرخ پتلونیں پہنے سپاہی اس کی آخری آرام گاہ تک نمرہ سے سفید ٹائیوں والے اشخاص نے غم سے مخمور الفاظ ادا کئے اور اسکے تابوت پر آنسو بہائے۔

اس کے دراز میں جہاں وہ بدترین مجرموں کی فائلیں رکھا کرتا تھا اس کے غم گذیدہ پیش کار کو مندرجہ ذیل دستاویز ملی اس کا عنوان تھا

کیوں

۲۵ جون ۱۸۵۷ء میں ابھی ابھی عدالت سے آیا ہوں بلونا ڈل کیلئے میں نے جو سزائے موت کا مطالبہ کیا تھا وہ اسے سنادی گئی ہے۔ میں حیران ہوں کہ اس شخص نے اپنے پانچ بچوں کو کیوں قتل کیا۔

Marfat.com

زندگی میں کئی بار ہمیں ایسے آدمی ملتے ہیں جن کے لئے زندگی کی تباہی ایک آسمانی مسرت ہوتی ہے یہ درست ہے اور اسے سمجھا بھی جاسکتا ہے یقیناً قتل کا فعل تخلیق کا دوسرا پہلو ہے تخلیق اور تباہی۔ یہ الفاظ موجودہ دور میں ہر چیز کا خلاصہ ہیں قتل ہمہ گیر مسرت کیوں ہے؟

۲۵ جون۔ یہ سوچتا کہ اس زمین پر ایک ایسی مخلوق ہے جو چلتی رہتی ہے اور دوڑتی ہے ایک مخلوق؟ یہ مخلوق کیا ہے؟ یہ جیتی جاگتی اور سانس لیتی چیز کیا ہے جو حصول تحریک کو مادی شکل میں ظاہر کرتی ہے اور قوتِ ارادی کی مالک ہے جو سب حرکات کو قابو میں رکھتی ہے اس چیز کی کوئی جڑیں نہیں اس کے پاؤں زمین میں پیوست نہیں یہ زندگی کا بیج ہے جو زمین پر بکھیر دیا گیا ہے اور یہ زندگی کا بیج؟ میں یہ تو نہیں جانتا کہ کب آیا لیکن اسے تباہ کیا جاسکتا ہے اور یہ اس کا خاتمہ ہے یہ گل سڑ کر ختم ہو جاتا ہے۔

۲۶ جون۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ پھر قتل کرنا جرم کیوں ہے؟ واقعی جب قدرت کا قانون ہے زندگی ختم کرنا ہر مخلوق پر لازم [illegible] یہ پرندہ رہے لیکن یہ بھی محض قتل کرنے کے لئے ...... قتل کرنا ہے۔ قتل کی جبلّت ہمارے خون میں ہے۔ ہم خود کو اس سے بچا نہیں سکتے ایک حیوان ہمیشہ قتل کرتا رہتا ہے۔ دن

Marfat.com

بھراور اپنی زندگی کے ہر منٹ میں قتل کرتا ہے آدمی بھی ہمیشہ قتل کرتا رہتا ہے صرف خوراک حاصل کرنے کیلئے نہیں کیونکہ اسے تو قتل کا محض لطف لینے کے لئے اکسایا جاتا ہے اس نے شکار ایجاد کیا ہے۔ بچہ ہر اس کیڑے مکوڑے کو جو اسے ملے مار دیتا ہے اور ان سب چھوٹے موٹے پرندوں اور حیوانوں کو بھی جو اس کے ہاتھ لگ جائیں مار دیتا ہے لیکن اس سے بھی ہماری ناقابل مداخلت ہوس کی تسکین نہیں دیتا جو ہم میں پختہ ہو چکی ہے۔

حیوانوں کا قتل کافی نہیں ہمیں اپنے ہم اثر انسانوں کو بھی قتل کرنا چاہئے پہلے پہل اس جبلت کی تسکین انسانی قربانیوں سے کی جاتی تھی۔ آج سماج میں مل کر اپنے کی ضرورت نے قتل جرم بنا دیا ہے۔ قاتل پر مقدمہ چلایا جاتا ہے۔ اور اُسے سزا دی جاتی ہے لیکن جیسے کہ ہم بعض اوقات اس فطرتی اور زبردست کرنے والے جذبہ کو بالکل ختم نہیں کر سکتے تو ہم وقتاً فوقتاً جنگوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جن میں ایک پوری قوم دوسری قوم کو قتل کر دیتی ہے یہ خون کی رنگ رلیوں پر منتج ہوتی ہے افواج پاگل پن میں دھکیل دی جاتی ہیں یہ بگاڑ پوری شہری آبادی کے سروں میں سما جاتا ہے اس میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں جو شام کو جب بتیاں جلتی ہیں تو ان خون ریزیوں

Marfat.com

کی دلیرانہ داستانیں پڑھتے ہیں۔ کوئی سوچتا ہوگا کہ جو لوگ اس قتل عام پر معمور کئے جاتے ہیں ان پر مقدمہ چلایا جاتا ہوگا؟ ہرگز نہیں بلکہ ان میں اعزازوں کے انبار لگا دیئے جاتے ہیں انہیں سونا اور گلناری پوشاک پہنائی جاتی ہے انہیں اپنے سروں پر لگانے کیلئے کلغی اور سینوں پر لٹکانے کے لئے ربن دئے جاتے ہیں۔ ان پر انعام اور تمغے اور ہر قسم کے القاب نچھاور کئے جاتے ہیں۔ وہ گلیوں میں اپنے مہلک ہتھیار گھسیٹتے ہوئے مارچ کرتے ہیں اور جسے سیاہ لباس میں ملبوس ہر شہری رشک سے دیکھتا ہے۔

تم قتل کرو گے یہ قدرت کا عظیم قانون ہے جو ہر مخلوق کے دل میں جاگزین ہے قتل کرنے سے زیادہ کوئی شے عالی شان نہیں اور عمدہ نہیں ہے۔

۳۰ جون۔ تم قتل کرو گے یہ قانون قدرت نے بنایا ہے وہ ابدی شباب سے محبت رکھتی ہے وہ اپنے سب لاشعوری افعال میں چیختی ہوئی معلوم ہوتی ہے جلدی، جلدی، جلدی . . . . . جتنی تیزی سے وہ تباہ کرتی ہے اتنی تیزی سے خود کو از سر نو زندہ کرتی ہے۔

۲ جولائی۔ ایک مخلوق۔ یہ مخلوق کیا ہے؟ سب کچھ ہے اور کچھ

Marfat.com

بھی نہیں اپنے دماغ کی بدولت یہ کائنات کا عکس ہے یا داشت
اور علم کی بدولت یہ دنیا کا نچوڑ ہے اس سب کا عکس یہ ہے اور رہا
ہے کہ ہر آدمی کی ذات میں ایک چھوٹی سی دنیا ہے جو بڑی دنیا میں
رکھ دی گئی ہے لیکن ایک فرد کے حقیر اور بے معنی ہونے کا احساس
کرنے کے لئے آپ کو سفر کرنا ہوگا کسی جہاز میں سوار ہو کر جائیے
اور سمندر میں چل دیجئے۔ ساحل لوگوں سے بھرا ہوا ہے لیکن تھوڑی
دیر میں آپ ساحل کی لکیر کے سوا کچھ نہیں دیکھیں گے چھوٹی چھوٹی
انسانی مخلوق غائب ہو چکی ہے یہ اتنی چھوٹی اور حقیر ہے یورپ کو
ایکس پریس ٹرین میں عبور کیجئے اور کھڑکی میں سے باہر دیکھئے
آدمی۔ آدمی اور بھی زیادہ آدمی ان جانے ان گنت آدمی کلبولیا
میں ہجوم در ہجوم کھیتوں میں گروہ در گروہ احمق دہقان جو صرف
زمین کاشت کرنے کی ہی عقل رکھتے ہیں۔

بدصورت عورتیں جن کی زندگی میں صرف یہی مقصد ہے کہ اپنے
شوہروں کے لئے کھانے تیار کریں اور بچے جنیں۔

ہندوستان میں جائیے چین میں جائیے وہاں بھی آپ لاکھوں انسان
پیدا ہوتے اور مرتے دیکھیں گے جو اپنے پیچھے اتنا ہی نشان چھوڑ جاتے
ہیں جتنا کہ سڑک میں کچلی ہوئی چیونٹی چھوڑ جاتی ہے۔

Marfat.com

جنشی ممالک میں جائیے جہاں آدمی مٹی کے گھروندوں میں مل کر رہتے ہیں۔

صاف چمڑی والے عربوں کے ممالک میں جائیے جو ہوا میں پھڑپھڑاتے ہوئے خاکی خیموں میں رہتے ہیں آپ کو احساس ہوگا کہ فرد کوئی حیثیت نہیں رکھتا صرف نسل اہمیت رکھتی ہے ایک صحرا نورد قبیلہ اپنے افراد کا خیال رکھتا تو ہے لیکن بہت کم اور یہ آدمی جو عقل مند ہیں موت سے نہیں ڈرتے اور نہ یہ افراد کی کچھ فکر کرتے ہیں ایک آدمی اپنے دشمن کو قتل کرتا ہے، یہ جنگ ہے، اور اسی طرح پرانے زمانے میں بھی تھا۔ ایک جاگیردار دوسرے جاگیردار سے لڑتا تھا۔

ہاں دنیا بھر کا سفر کیجئے اور ہجوم در ہجوم انسانوں کو دیکھئے جو ان گنت اور ان جانے ــــ ان جانے۔ ان جانے ہاں اب آپ نے اس امر کا راز پالیا ہے قتل اس لئے جرم بن گیا ہے۔ کیونکہ آج کل ہر فرد کا رجسٹرڈ میں اندراج کیا جاتا ہے جونہی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا نام رجسٹرڈ میں درج کیا جاتا ہے قانون اسے اپنے پیروں میں لے لیتا ہے ایک انسان جس کا نام رجسٹرڈ میں درج نہ کیا گیا ہو شمار نہیں ہوتا آپ اسے بنجر زمین پر صحرا میں پہاڑ پر میدان میں یا

Marfat.com

کہیں بھی قتل کر سکتے ہیں قدرت موت سے پیار کرتی ہے وہ قاتل کو کبھی سزا نہیں دیتی۔

پھر جو چیز حقیقتاً قابل تعظیم ہے وہ میونسپل رجسٹرڈ ہے یہ ہے وہ چیز جو فرد کی حفاظت کرتی ہے ایک آدمی اس لئے قابل تعظیم ہے کہ اس کا نام حکومت کے ریکارڈ میں درج ہے سب تکریم میونسپل رجسٹرڈ کے لئے جو قانونی خدا ہے اس کے سامنے جھکیئے حکومت قتل کر سکتی ہے کیونکہ اُسے رجسٹرڈ میں رَدوبدل کرنے کا اختیار ہے۔

جب یہ جنگ میں لاکھوں انسانوں کو قتل کرا چکتی ہے تو یہ ان کے نام حذف کرا دیتی ہے اس کے رجسٹرڈ بیک جنبشِ قلم ان کا نام اور نشان تک نہیں رہنے دیتے۔ لیکن ہم جو رجسٹرڈ میں رَدو بدل نہیں کر سکتے زندگی کا احترام کرنے پر پابند ہیں۔

اے رجسٹرڈ ـــــ جلیل القدر معبود جو مقدس مقامات میں سے مقدس ترین میونسپل کمیٹی کے دفتر پر حکمرانی کرتے ہو سب مرحبا کہتے ہیں تم قدرت سے زیادہ طاقتور ہو۔

۳ جولائی۔ انسان کو قتل کرنا یقیناً ایک انوکھی اور شدید مسرت ہو گی اور سامنے اپنی مُٹھی میں ایک زندہ اور ذی حِس مخلوق کو دیکھنا اور پھر اس میں سوراخ ـــ بالکل چھوٹا سا سوراخ کر کے بہتا

Marfat.com

ہوا خون دیکھنا ـــــــ خون جو زندگی کا رس ہے اور پھر یہ دیکھنا کہ ایک ٹھنڈے بے حرکت اور بے جان گوشت کے لوتھڑے کے سوا کچھ نہیں رہا جو خیالات کا حامل نہیں ہے۔

۵ اگست۔ کون جان سکے گا؟ کون مجھ ایسے شخص پر شبہ کر سکے گا خاص طور پر جب میں اپنے تجربہ کے لئے کوئی ایسا شخص منتخب کروں جس کے قتل میں بظاہر میرا کوئی مفاد نہ ہو۔

۱۵۔ اگست۔ ترغیب ـــــــ یہ ترغیب میری روح میں رینگتے ہوئے کیڑے کی طرح گھس گئی ہے یہ میرے وجود میں اپنی بل کھود رہی ہے۔ میرے پورے جسم میں سرایت کر گئی ہے یہ میرے دماغ میں رچ گئی ہے جہاں تک کہ اس میں قتل کے سوا کوئی خیال نہیں میری آنکھیں خون دیکھنے کے لئے ترس رہی ہیں میرے کانوں میں مرتے ہوئے آدمی کی آخری۔ چیخ ایسی دردناک آواز گونج رہی ہے میرے پاؤں مجھے اس جگہ لے جانے کے لئے کپکپا رہے ہیں یہ کتنا عالیشان نادر اور ایک آزاد آدمی کے شانِ شایان کام ہوگا جو عام لوگ، ن ۔۔ پنی روح کا مالک ہے اور وہ اس قسم کی انتہائی محسوسات کی تلاش میں ہو۔

۲۲۔ اگست۔ میں زیادہ دیر تک مدافعت نہیں کر سکتا تجربہ

Marfat.com

کے طور پر میں نے ایک چھوٹا سا جانور قتل کر دیا ہے میرے نوکر نے ایک ننھی سی چڑیا پنجرے میں بند کر کے باورچی خانہ کی کھڑکی میں لٹکا رکھی تھی میں نے اُسے کسی کام کے لئے باہر بھیجا دیا۔ اور ننھے پرندے کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ میں اس کے دل کی دھڑکن محسوس کرتا تھا میں نے اپنے ہاتھ میں اس کے جسم کی حرارت محسوس کی اور اسے اپنے کمرے میں لے آیا۔ گاہے گاہے میں اسے زیادہ زور سے بھینچ لیتا تھا اس کا دل زور زور سے دھڑکتا یہ احساس خوفناک لیکن مزے دار تھا میں خود کو بہت مشکل سے اس کا گلہ گھونٹنے سے بعض رکھے ہوئے تھا کیونکہ میں اس صورت میں خون نہیں دیکھ سکتا تھا میں نے قینچی پکڑ لی، ناخن کاٹنے کی ننھی سی قینچی، اور بڑے آرام سے اس کے گلے پر تین زخم لگائے پر تین زخم لگائے اس کی چونچ کھل گئی اور اس نے چیخ نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن میں اُسے زیادہ مضبوطی سے پکڑے رہا اور بہتا ہوا خون دیکھتا رہا۔

کتنا خوبصورت ـــ اس قدر سُرخ ـــ چمکدار اور صاف خون تھا مجھ میں یہ خون پینے کی خواہش پیدا ہوئی اور میں نے اُسے زبان کی نوک سے چکھا کتنا اچھا مزہ تھا لیکن یہ تو ذرا سی بوند تھی کسی بیل کا اتنا خون بہتے دیکھتا کہ وہ مر جائے کتنا شاندار ہو گا۔

پھر میں نے بھی قاتلوں کی طرح حقیقی قاتلوں کی طرح عمل کیا

Marfat.com

اپنی قینچی اور ہاتھ دھوئے اور پانی پھینک دیا چڑیا کا جسم ـــــ
اس کی لاش باغ میں رس بھری کے درخت تلے دفن کر دی . . .

میں نے فیصلہ کیا کہ روز اس درخت سے ایک رس بھری کھایا کرونگا۔
جین اپنے پرندے کی جدائی میں روتا رہا اس کا خیال تھا کہ وہ اڑ گیا ہے اسے مجھ پر شبہ کرنے کا خیال تک نہیں آ سکے گا۔

۲۵۔اگست۔ مجھے ایک آدمی کو قتل کرنا چاہیئے ـــــ ضرور کرنا چاہیئے ـــ ضرور کرنا چاہیئے۔

۳۰۔اگست۔ میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں یہ کتنی وحشت ناک بات ہے میں جنگل میں سیر کرنے گیا تھا میں قطعاً خالی ذہن تھا پگڈنڈی پر میں نے ایک لڑکے کو اپنی طرف آتے دیکھا جو روٹی کو مکھن لگا کر کھا رہا تھا جب میں اس کے پاس سے گزرنے لگا تو اس نے مجھے ٹھہرا کر کہا

شب بخیر جناب ـــ،

اسے قتل کرنے کا خیال مر... گیا۔ میں نے اس سے سوال کیا کیوں بیٹا! جنگل میں بالکل اکیلے ہو؟

جی ہاں!

Marfat.com

اُسے قتل کرنے کی خواہش نے شراب کی طرح میرے ذہن کو معاؤف کر دیا۔ میں آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھا میرا خیال تھا کہ وہ بھاگ جائے گا لیکن وہ کھڑا رہا۔ میں نے اسے گلے سے پکڑ کر اپنی پوری قوت سے اس کا گلا گھونٹا۔ اس نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا کہ میں لرز گیا اس کی آنکھیں گول گہری چمکدار اور دہشت ناک تھیں مجھے آج تک اتنا خوفناک اور وحشیانہ احساس کبھی نہیں ہوا۔ لیکن افسوس کہ یہ احساس بہت ہی مختصر تھا۔

اس نے اپنے ننھے ہاتھوں سے میری کلائیاں بھینچ لیں اور اس کا جسم اذیت سے اس طرح دُہرا ہو گیا جیسے کسی پرندے کا جسم آگ کے شعلوں میں چڑمڑ ہو جاتا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد اس نے کش مکش چھوڑ دی میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا بالکل اس پرندے کی طرح ـــــ میں نے اس کا جسم ایک گڑھے میں پھینک دیا اور لاش پر گھاس بکھیر دی۔

میں نے گھر جا کر کھانا کھایا قتل کتنی معمولی شئے ہے میں نے شام بڑے سکون سے گذاری میں بالکل ٹھیک تھا اور خود کو از سرِ نو ع جوان محسوس کرتا تھا میں اپنی عقل کا شکر گزار ہوں۔

میں خون نہیں دیکھ سکتا تھا۔ تاہم پُرسکون تھا۔

Marfat.com

۳۱۔ اگست ۔ اس کی لاش مل گئی ہے اور پولیس قاتل کی تلاش میں ہے۔

یکم ستمبر۔ اس کے والدین مجھے ملنے آئے وہ رو رہے تھے۔

۶۔ اکتوبر۔ قاتل کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ یقیناً یہ کام کسی آوارہ گرد نے کیا ہوگا ـــــ ہُونہہ ـــــ اگر میں بہتا ہوا خون دیکھ لیتا تو میرا خیال ہے میں اس وقت پُرسکون نہ ہوتا۔

۱۸۔ اکتوبر۔ قتل کرنے کی خواہش میری ہڈیوں کے گودے میں سرایت کرگئی ہے۔ یہ خواہش بالکل اس اشتیاق سے مُشابہ ہے جو بیس سالہ لڑکے کو عشق میں اذیت دیتی ہے

۲۵۔ اکتوبر۔ ایک اور ـــــ میں دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد دریا کے کنارے گھوم رہا تھا کہ مجھے ایک ماہی گیر بلا جو بیت کے درخت تلے سویا پڑا تھا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا قریب ہی آلو کے کھیت میں ایک بیلچہ زمین میں سیدھا گڑھا ہوا تھا۔ جیسے اسی مقصد کیلئے وہاں رکھا گیا تھا۔ میں اُسے اٹھا کر واپس آیا۔ میں نے بیلچہ ڈنڈے کی طرح اوپر اٹھایا او ، ا ار میں اس کا سر تن سے جدا کردیا۔ اس مرتبہ خون کی کچھ کمی نہ تھی سُرخ خون بھیجے میں مل گیا اور کچھ ہی دیر بعد آہستہ آہستہ بہہ کر پانی میں شامل ہوگیا۔ میں

Marfat.com

اطمینان سے چل دیا۔ فرض کرو کوئی مجھے دیکھ لیتا ؟

۲۵۔ اکتوبر۔ ماہی گیر کے قتل نے سنسنی پھیلا دی۔ مقتول کا بھانجہ جو اس کے ساتھ مچھلیاں پکڑنے گیا تھا۔ قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

۲۶۔ اکتوبر۔ پولیس کے حکام نے فیصلہ دیا کہ وہی مجرم ہے اور شہر میں ہر ایک اس فیصلے کو تسلیم کرتا ہے۔

۲۷۔ اکتوبر۔ اس کے بھانجے نے بہت کمزور دفاع پیش کی اس نے بیان دیا کہ وہ پنیر اور روٹیاں لانے گاؤں گیا ہوا تھا۔ اور قسمیں کھاتا ہے کہ اس کا ماموں اس کی غیر حاضری میں قتل کیا گیا ہے لیکن یہ کون مانے گا۔

۲۸۔ اکتوبر۔ انہوں نے اسے اتنی ایذا پہنچائی کہ اس کی قوت برداشت جواب دے گئی اور اس نے اپنے جرم کا اقبال کر لیا۔

انصاف ہا ہا ہا ہا

۱۵۔ نومبر۔ اس کے بھانجے کے خلاف مقدمہ بہت مضبوط ہے وہ اپنے ماموں کی جائداد کا وارث تھا میں جیوری کے اجلاس کی صدارت کروں گا۔

۲۵۔ جنوری۔ موت ـــ موت ـــ موت میں نے اُسے

Marfat.com

موت کی سزا دی ہے۔ ایڈووکیٹ جنرل فرشتہ کی طرح بولتا
رہا۔ ہا ہا۔ ہا ہا

ایک اور قتل میں اسے پھانسی ملتے دیکھنے جاؤں گا۔

یکم مارچ۔ یہ بھی ختم ہوا۔ آج اُسے پھانسی دے دی گئی ہے جلاد نے بہت اچھا خاتمہ کیا —— قابل ستائش اس نے مجھے مسرت بخشی آدمی کا سر تن سے جُدا ہوتے دیکھنا بہت اچھا نظارہ تھا۔ اس کی گردن سے خون کے فوارے پھوٹ نکلے —— کاش! میں ان میں نہا سکتا ان کے نیچے لیٹتا اور اپنے بال اور منہ اس میں ڈبوتا اور سر سے پاؤں تک خون میں سُرخ ہو کر نکلتا۔ مگر کاش!

دیکھا آپ نے —— جنگ میں فوجی / عدالتوں میں جج، چوبارے میں طوائف سبھی قتل کرتے ہیں۔ کوئی انسان کو اور کوئی انسانیت کو مگر آج انسان کو اپنی کمزوری کا احساس ہو رہا ہے اور اس احساس سے مہذب غیر مہذب سبھی لوگ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچ رہے ہیں قانون کے راستے بدل رہے ہیں قتل کے جواز تلاش کئے جا رہے ہیں چنانچہ انگلستان کہتا ہے:

قاتل ... عقل وشعور کا انسان نہیں ہوتا وہ دراصل ذہنی مریض ہوتا ہے اور آپ پاگلوں اور ذہنی مریضوں کو ان کے اعمال وافعال کی سزا کیونکر دے سکتے ہیں۔ جب کہ وہ اپنے جرم کی نوعیت

Marfat.com

ہی سمجھنے کے قابل نہیں۔

قاتلوں اور مجرموں کو ذہنی مریض سمجھ کر انہیں دماغی ہسپتالوں میں علاج کے لئے بھیجنا چاہئے جیل خانے کی بھیانک چار دیواری میں بند کر کے انہیں مختلف اذیتیں پہنچانے اور آسائشوں سے محروم کر دینے کے بعد مجرم آزاد انسانوں کے خلاف اپنے اندر نفرت کا جذبہ تو پیدا کر سکتے ہیں مگر انسانی سماج میں ایک صحت مند ذہن کے مالک انسان کی حیثیت حاصل کرنے کے قابل نہ ہو سکیں گے۔

نیز ــــ اگر کسی انسان کو جان سے ختم کر دینا قتل ہے تو قاتل کی جان لینا بذات خود قتل کر دینے کے مترادف ہے؟

کسی شخص کو قتل کرنا نہایت جرم ہے لہذا قاتل کو پھانسی پر لٹکا کر اُسے قتل کرنا بھی انسانیت کی نظروں میں کم ہولناک نہیں،

Marfat.com

سزائے موت

یہ افسانے اور کہانیاں نہیں بلکہ اُس سرزمین کے لوگوں کی رائے ہے۔ جہاں علم نے پرورش پائی سائنس نے جنم لیا اور جہاں کا ہر انسان ہواؤں اور سمندروں کو مسخر کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ ہمارا ملک ان سے مختلف ہے جہاں کی ہر شئے مستعار ہے مدت ہوئی کہ جہاں کی کوئی تہذیب تھی باقی رہا علم تو یہ ناگفتی ہے۔

سوال ملکوں کا نہیں بلکہ انسان کا ہے اور انسان من الحیث الانسان اپنے اندر کوئی امتیاز نہیں رکھتا وہ اپنے بگاڑ اور سنوار میں ایک سا ہے

اگر آج یورپ چیخ رہا ہے تو آ[illegible] لے کل کو مجھے بھی سوچنا ہے کہ انسانی دامن پر اس داغ کو کتنی مدت اور باقی رہنے دینا ہے۔

پنجاب کا کوئی جیل خانہ ایسا نہیں جہاں کی مخصوص کوٹھڑیاں قاتلوں سے

Marfat.com

بھری نہ ہوں جج ہر روز اپنا قلم توڑتے ہیں۔ پھانسی کا تختہ ہر روز کھلتا اور بند ہوتا ہے جلاد کی دوڑ دھوپ مدتوں سے جاری وساری ہے۔

واقعات شاہد ہیں کہ ہمارے ہاں بھی بنائے فساد زن اور زمین کے سوا اور کوئی شے نہیں۔

تقسیم ملک کے بعد دیہاتی اور شہری آبادی کے پاس اسلحہ کی بہتات ہے گھر کے تمام فرد الگ الگ ریوالور لٹکائے پھرتے ہیں لائسنس کے حصول کے لئے جو طریقے کچہریوں کے احاطہ میں استعمال کئے جاتے ہیں انہیں ان کیلئے رشوت سے بھی دور کا کوئی نام تجویز کرنا چاہئے۔

یہ بھی ایک سوال ہے کہ اسلحہ عام کیوں ہے ممکن ہے جواب میں تلخی ہو لیکن نیتی نہیں ہے ساغر و مینا کہے بغیر۔

پنجاب میں گزشتہ انتخابات کے بعد فریقین نے اپنے حاشیہ برداروں کو اسلحہ کے لائسنس مہیا کئے۔ چونکہ مستقبل کو ان سے کام لینا ہے اس لئے ان کی ہر خواہش کا احترام کرنا ضروری خیال کیا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ شہر اور دیہات میں شریف اور غیر شریف کے درمیان امتیاز اٹھ گیا۔ جن گاؤں میں کبھی کبھار جھگڑے ہوتے اور ان کے درمیان لاٹھیاں استعمال ہوتی تھیں۔ وہاں ریوالور اور بندوقوں کا کھلم کھلا استعمال ہوتا رہا ہے اگر کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں بتاتا کہ ان جھگڑوں میں اکثریت ہنوز ایسے فسادات کی ہے جن کی بنیاد گزشتہ انتخاب اور اسلحہ کا عام ہونا ہے

Marfat.com

برطانیہ کے عہد میں یہ قانون عام تھا کہ قتل کے مقدمہ میں اگر پولیس کو اپنی کامیابی کی امید نہ ہو تو سلطانی یا وعدہ معاف گواہ بنا کر اپنا کیس مضبوط کرتی تھی اس طرح پر اصل ملزم بری کر دیا جاتا اور ترغیب دینے والا مجرم بنا کر پھانسی دے دیا جاتا۔

ہو سکتا ہے برطانوی عہد میں یہ رواج درست ہو لیکن جس ملک کی بنیاد ( ) اسلامی تصور پر ہو۔ وہاں کے منصفوں کو انصاف کرتے وقت قتل کے مقدمہ میں (وعدہ معاف) کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔

اسلام ترغیب دہندہ کو نہیں بلکہ قاتل کو سزا دیتا ہے اس لئے کہ قتل کے محرکات قاتل اور ترغیب دہندہ دونوں یکساں ہیں چنانچہ بلوچستان اور اس کی ریاستی یونین کے قبائلی لوگ اب بھی اسلامی رسم و رواج کے مطابق ایسے مقدمات کے فیصلے کرتے ہیں۔ گزشتہ سال :-

قبائلی سرداروں پر مشتمل ایک جرگہ نے ناظم ریاست قلات عبدالعزیز کے بھائی کے قتل کے الزام میں سردار شیر دل خان مغیری کو دو ہزار روپیہ جرمانہ اور باقی چار ملزموں کو پانچ پانچ سال قید بامشقت کی سزا دی ہے۔

سردار شیر [illegible] کے سب باقی ملزموں نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ سردار مذکور نے انہیں ناظم قلات عبدالعزیز کے بھائی کو قتل کرنے کی ترغیب دی تھی۔

Marfat.com

آج ہمارے معاشرے میں دیگر جرائم کے ساتھ قتل کی وارداتیں اس حد تک ترقی کر چکی ہیں کہ عدالتیں سال ختم ہونے تک بھی ان مقدمات سے فارغ نہیں ہوتیں دیگر وجوہات کے علاوہ قتل عام کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وعدہ معاف گواہ کو مجرم ہونے کے باوجود انگریزی قانون گرفت نہیں کرتا اور جیل میں بھی اس کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جاتا ہے۔

میں برطانوی عوام کے ساتھ تو اتفاق نہیں کرتا کہ قاتلوں کو دماغی ہسپتالوں میں برائے علاج داخل کرنا چاہئے۔ لیکن اپنی حکومت سے یہ ضرور کہوں گا کہ ہمارے ملک میں ایسے قاتلوں کی اکثریت پھانسی چڑھائی جاتی ہے جو حقیقت میں قاتل نہیں ہوتے۔

قتل کے مقدمہ میں استغاثہ کی کہانی کا ہر کردار ذاتی اور خانگی انتقام کا مظہر ہوتا ہے اس پر پولیس کی حاشیہ آرائی اس افسانے کو حقیقت بنانے میں معاون ہوتی ہے۔ اس بنیاد پر قانون جو عمارت استوار کرتا ہے عدالت اس پر اپنے فیصلے کی آخری مہر ثبت کرتی ہے۔

سوال نہ عدالت کے فیصلے کا ہے اور نہ استغاثہ کی غلط یا صحیح کہانی کا۔

سوال رائج الوقت قانون کا ہے۔

عنوانِ بالا کے تحت تین بنیادوں پر تبصرہ ہے

۱۔ بالخصوص دیہات میں اسلحہ کی بہتات۔

Marfat.com

۲۔ سلطانی گواہ کو رعایت

۳۔ انگریزی قانون

اگرچہ ہمارے ملک میں قتل کی عام اور بنیادی وجہ ہمارے معاشرے کی خرابیاں بھی ہیں تاہم ہر سہ خرابیاں بنیادی خرابیاں ہیں جب تک پلٹ کر ہم ان پر غور نہیں کرینگے۔ یہ داغ بڑھتا ہی جائے گا۔

موت زندگی کے انجام کا دوسرا نام ہے۔ یہ معین وقت پر راستے کی تمام زنجیریں توڑ کر اپنے مقصود کو پہنچ جاتی ہے۔ ستاروں کی قندیلیں جلی رہی ہوں یا بادلوں کے جھرمٹ انہیں اپنی لپیٹ میں لے چکے ہوں۔ چاند اپنی چاندنی کا چراغ لے کر کائنات کی منڈیر پر کھڑا ہو یا شبنم کی نمی سے اس کا دامن بھیگ چکا ہو۔ آفتاب کی تمازت تیز ہو یا شام اس پر اندھیرے کی چادر ڈال دے۔ موت کے معینہ وقت کے سامنے یہ سب افسانہ ہیں۔

سمندر کی گہرائی اور پہاڑوں کی بلندی انسان کو موت سے محفوظ نہیں رکھ سکتے؟

شاہی اور فقیری کے راستے موت کے ہاتھوں تار تار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ شہنشاہ کا تخت اور فقیر کا تکیہ موت کے لئے دونوں راستے ہموار ہیں۔ اس کے قدم نہ رک سکتے ہیں اور نہ انہیں فریب دیا جا سکتا ہے۔

انسان کی منزل موت کے قریب سے شروع ہوئی ہے۔ اور قریب

Marfat.com

جا کر ختم ہو جاتی ہے۔

آئین فطرت اور قانونِ انسانی کے مابین ٹکراؤ کی عمر تاریخ کائنات کے پہلو بہ پہلو اپنے وقت پلٹتے جا رہی ہے۔ اس دوران انسان کبھی تو اپنے جرم کی سزا خود تجویز کرتا ہے اور کبھی قدرت اپنا فیصلہ دیتی ہے۔ انسانی سزا اور جزا دونوں دکھائی دیتے ہیں مگر قدرت کا فیصلہ سنائی نہیں دیتا ہے دیکھائی دیتا ہے۔

انسانی قتل انسانیت میں سب سے بڑا گناہ ہے چنانچہ خالق اور مخلوق دونوں نے قتل کی سزائیں مقرر کی ہیں لیکن انسان اس پر کب سے عمل پیرا ہوا۔ تاریخ کے کھنڈرات پر کھڑے ہو کر دور تک نظر ڈالنے پر ایسا کوئی نشان نہیں ملتا کہ زمانہ اور وقت کا تعین ہو سکے تاہم ابنِ آدم (قابیل) کو بحیثیت انسان کے مقتول العمل ہونے کے اس کے باپ (آدم علیہ السلام) نے ملک بدر ہونے کی سزا دی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے عہد میں بقول انجیل مقدس کے :-

> خدا تعالےٰ نے قتل کی سزا کا تقرر فرمایا کہ ہر آدمی کے قتل کا انتقام آدمی سے لونگا۔ نیز جانوروں کے لہو پینے کی ممانعت فرمائی اور کہا جانور تمہارے کھانے کیلئے ہے۔ گوشت کے ساتھ ان کا خون تم مت پینا۔"

اس حکم خداوندی کے تحت قاتل کو سنگسار کیا جاتا تھا۔ پھر دوسرا زمانہ

Marfat.com

آیا۔ کہ قاتل اور مقتول کی لاش دونوں کے منہ آپس میں باندھ دیئے جاتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ قاتل مقتول کی بو سے مر جاتا تھا۔ بنی اسرائیل کے عہدِ اقتدار سے پیشتر مصر کے فراعنہ کے ہاں بھی قاتل کو سزائے موت دی جاتی تھی۔

"جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی مر گیا۔ تو فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو گرفتار کر کے قتل کا حکم دیا۔ مگر وہ مصر سے نکل گئے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کے بعد جب بنی اسرائیل کا ستارہ چمکا اور مصر کی سرزمین ان کے قدموں تلے روندی جانے لگی۔ تو حضرت یشوعؑ پہلے پیغمبر ہیں جنہوں نے قاتل کے لئے پھانسی کا طریقہ جاری کیا۔ چنانچہ:

"وقت کے بادشاہ کو حضرت یشوعؑ کے حکم سے درخت سے لٹکا کر پھانسی دی گئی۔ اور اس کی لاش شام تک درخت سے لٹکی رہی۔ سورج غروب ہونے کے بعد لاش کو اتار اور شہر کے پھاٹک کی راہ گذر پر پھینک دیا گیا۔ اور بعد میں پتھروں سے چُن دیا گیا ہے۔

پھانسی دینے کا یہ طریقہ ایک مدت تک جاری رہا۔ مگر حضرت عیسےٰ کے عہد میں بنی اسرائیل کے لئے حاکم نے اس میں ترمیم کی اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو (اپنی دانست میں) حسب ذیل طریق سے پھانسی دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دونوں ہاتھوں میں کیل ٹھونک دیئے گئے

Marfat.com

اور سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا گیا ایک کیل کلیجے کی جگہ اور
گھٹنوں میں متعدد کیلیں ٹھونک گئیں۔ ان کے ساتھ دو اور
ڈاکوؤں کو بھی اسی طرح مارا گیا۔"

انجیل مقدس کی زبان میں اس طریقے کو صلیب دینا کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے اس زمانے میں سزائے موت کا یہی رواج تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ رسم و رواج تبدیل ہوتے رہتے ہیں ہر حکمران اپنے عہد اقتدار کی نئی تاریخ مرتب کرتا ہے وقت اور زمانہ اس کے ہمرکاب چلتے ہیں۔ وہ جو آئین وضع کرتا ہے۔ اقتدار شاہی کا دامن اس کے پھیلاؤ میں اس کا معاون ہوتا ہے دریائے دجلہ و نیل اور فرات کے کنارے گواہ ہیں کہ :-

"بنو امیہ اور بنو عباس نے اپنے عہد میں گناہ گاروں کو درختوں سے لٹکا کر پھانسی کی سزا دی۔ سولی کا لفظ بھی انہیں کی ایجاد ہے چنانچہ لوہے کی پندرہ فٹ لمبی اور موٹی سلاخ ہوتی تھی۔ جس کا ایک سرا بجلی کے کھمبے کی طرح زمین میں گڑا رہتا تھا۔ اور دوسرا سوئی کی مانند باریک ہوتا تھا۔ پہلے اس پر کسی جانور کو لٹکا کر دیکھتے، دوسرے دن شہر میں سرکاری منادی کرائی جاتی کہ فلاں جگہ فلاں مجرم کو سزائے موت دی جائے گی۔ وقت پر عام لوگ جمع ہو جاتے تھے اور بادشاہِ وقت کی موجودگی میں مجرم کو وہاں لایا جاتا

Marfat.com

اور لوہے کی سیڑھی کے ذریعے جو وقت پر کھیے کے ساتھ لگائی جاتی تھی۔ جلاد مجرم کو لے کر اس پر چڑھتا اور پیٹ کے بل اس کو لٹا دیا جاتا تھا۔ کھیے کا باریک سرا مجرم کے کلیجے میں سے ہو کر دوسری طرف نکل جاتا جس سے اس کی موت واقع ہو جاتی تھی۔"

اسلام نے جب اپنا دینی فیصلہ دیا۔ اور بنی نوع انسان کے لئے طریق زندگی کی وضاحت کی تو اس میں قتل انسانی سے سختی کے ساتھ منع کیا اور تعزیر قائم کی:-

"اگر کوئی شخص کسی انسان کو ارادتاً کنوئیں میں دھکیل کر حوض میں یا دریا میں پھینک کر یا چھری گنڈاسہ اور لٹھ سے مار ڈالے تو مقتول کے قاتل یا قاتل کے ورثا سے قصاص لیا جائے جیسے مقتول کے ورثا پسند کریں نیز قصاص کی یہ صورت بھی تھی کہ اگر عورت نے عورت کو قتل کیا ہے تو عورت ہی قتل کی جاویگی۔ اگر کسی آزاد مرد نے آزاد مرد کو قتل کیا ہے تو آزاد مرد کو ہی موت کی سزا دی جاتی تھی۔ جس کا طریقہ یہ تھا کہ جلاد تلوار لے کر قاتل کی گردن اڑا دیتا تھا۔ یہ سزا عرب میں آج بھی جاری ہے جیسے کہ گذشتہ دنوں شاہ یمن کے دونوں بھائیوں کو اپنے حقیقی بھائی کے خلاف بغاوت کرنے کے جرم میں قتل کیا گیا۔

Marfat.com

قاہرہ ۱۷۔ اپریل۔ کل رات جو خبر یہاں پہنچی ہے یمن کے دو شاہزادوں سیف الاسلام اور ان کے بھائی عباسی کے سر حاجہ کے قلعہ میں قلم کر دیئے گئے ہیں

(رائٹر۔ امروز۔ ۱۸۔ اپریل ۱۹۵۵ء)

سلاطین عرب کے علاوہ ایشیائی ممالک نے بھی قتل کے مجرموں سے کوئی رعایت نہیں برتی خاص کر بھارت کے پرانے رسم و رواج میں جب کہ یہاں منو شاستر کی حکومت تھی قاتل کے لئے سزائے موت تو ہے لیکن اس کی کوئی واضح شکل نظر نہیں آتی اگر کوئی تھی تو اسے چندر گپت نے اپنے عہد کی یادگار کے طور پر منسوخ کر دیا تھا۔ اس سلسلے میں چندر گپت موریا کا اپنا فرمان جو اس نے موجودہ فیروز شاہ کوٹلہ میں بیٹھ کر دیا قابلِ توجہ ہے۔

"جو عہد مقررہ سے عدول کریں گے ان کے لئے جرمانے اور سزائیں بھی ہیں لیکن ارتکاب جرم کی نوعیت کے لحاظ سے سزا کی مقدار مقرر کی گئی ہے۔ مگر مرتکب جرم قتل کو قتل نہیں کروں گا۔ جو بدکار قتل کے مرتکب ہونگے وہ میرے رحم سے قطع و برید اعضاء سے بچ جائیں گے۔ وہ خیرات دیں گے اور ان کو روزہ کا کفارہ بھی دینا پڑے گا۔"

(دارالحکومت جلد دوم صفحہ نمبر ۶۰۸)

Marfat.com

اس کی تائید میں ایک چینی سیاح .... جو چندر گپت کے بعد میں بھارت آیا اپنے سفرنامہ میں اس وقت کے بھارت کی سزاؤں کا ذکر کرتا ہوا۔ رقمطراز ہے :۔

" ارتکاب جرم پر اکثر جرمانے ہوتے تھے اور سزائے موت قانوناً نہیں تھی۔ بادشاہ جسمانی سزا کسی کو نہ دیتا تھا حتیٰ کہ جو لوگ بغاوت پھیلانے کے سزاوار ہوتے صرف اتنی سزا پاتے کہ ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا جاتا۔

جانوروں کی قربانی بہت کم ہوتی تھی۔ گوشت صرف ایک قوم چنڈال بیچتی تھی جب وہ بازار میں آتے تو اپنے ہاتھ سے ڈنڈے بجاتے تاکہ وہ کسی کو نہ چھو جائیں "

مگر جیسے ہی مہاراجہ چندر گپت موریا اس جہاں سے رخصت ہوئے ایسے قوانین کی تمام کتابیں ان کے ساتھ چتا میں جلا دی گئیں۔ بعد میں آنے والے شہنشاہوں نے اپنے نئے نئے قانون مرتب کئے۔

" عہد عالمگیری میں پھر سے سلاطین عرب کے سے طریقے پرورش پانے لگا "۔ .... سولی پر چڑھا کر اس کے پیٹ کو نیزے سے چیر دیا جاتا تھا۔ اور اس کی لاش تین دن تک سولی پر لٹکی رہتی تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ "

Marfat.com

یہ طریقہ موت مغلِ سلطنت کے زوال تک جاری رہا۔ اٹھارویں صدی عیسوی کے برطانوی اور فرانسیسی دَورِ حکومت میں قاتلوں سے وہی سلوک روا تھا جو ایشیائی اور عرب ممالک میں رواج پا چکا تھا۔ آخر ۱۸۱۰ء میں لندن کے ایوانِ حکومت میں سر سموئیل رومیلی کی آواز سے ایک گونج پیدا ہوئی کہ سزائے موت کو منسوخ کیا جاوے۔ رودبار انگلستان کی لہریں اس آواز کو کیلے کے ساحل تک لے گئیں۔ فرانس ان دنوں تہذیبِ نو کے گہوارے میں نہ صرف پرورش پا رہا تھا۔ بلکہ جوانی کی بہاریں اُسے یورپ کی تعیش پسند عناصر سے متعارف کرا رہی تھیں جس پیرس گلیوں سے عشق کے بازار تک آ چکا تھا کہ وکٹر ہیگو (فرانس کا مشہور افسانہ نگار) گریو کے چوک (فرانس کی وہ مشہور جگہ جہاں قاتلوں کو پھانسی دی جاتی تھی) میں کھڑا ہو کر پکار اٹھا:۔

"جس شخص کو تم سزائے موت دیتے ہو۔ اس کے متعلق علی الصبح گلی اور کوچوں میں اعلان کرتے ہو۔ اس کی سوانح حیات...... جرم ...... سزا۔ اور اس کی تکلیف کا اخباروں میں توسیع اشاعت کی غرض سے ذکر کیا جاتا ہے کیسی خوفناک تجارت ہے وہ سکہ جو تمہارے ہاتھ پہنچتا ہے خون آلود ہوتا ہے۔

انتقام ایک انفرادی فعل ہے سزا کا اختیار صرف خدا کو ہے سوسائٹی کا راستہ انتقام اور سزا کے درمیان میں سے ہے۔ سزا

Marfat.com

اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ انتقام سوسائٹی کے شانِ شایاں
نہیں سوسائٹی کو انتقام کے لئے سزا نہیں دینی چاہئے بلکہ ایسے مجرموں
کی اصلاح کرنی چاہئے جو قتل کے مرتکب ہوتے ہیں سزائے موت
کو تم کس رنگ میں عملی جامہ پہناؤ اس کا وار صرف معصومیت پر ہوتا
ہے۔ کیونکہ جسے تم سزائے موت دیتے ہو وہ ایک خاندان رکھتا ہے
کیا اس صورت میں تم ایک انسان کو زندگی سے محروم کرتے ہو؟
نہیں۔ اسے موت کی سزا دیتے وقت تم اس کے افرادِ خاندان کے
سرِ آسمانِ امید پر ادبار کے بادل پیدا کرتے ہو۔ اسی صورت میں تم
معصوموں کو سزا دیتے ہو اور معصومیت پھر تمہاری نوحہ خوانی کرتی ہے
ایسے مجرموں کو حبسِ دوام کی سزا دو۔ کیونکہ تنگ و تاریک کوٹھڑی
میں بھی وہ اپنے لواحقین کے لئے سامانِ زیست پیدا کر سکتے ہیں۔
لیکن وہ قبر کی گہرائیوں سے انکی معاونت کیسے کر سکتے ہیں؟
کیا تم ایسے وقت خوفزدہ نہیں ہوتے جب تم اس کے لڑکے
اور لڑکی کا خیال کرتے ہو؟ ....
ان بچوں کا خدا [illegible] ں کا سہارا چھین لیا گیا ہے کیا تم محسوس
نہیں کرتے آئندہ پندرہ برس میں بیٹا جیل خانے میں ہوگا اور بیٹی
تعیش پسند امراء کی نفسانی خواہش کے بچھونے کی زینت ہوگی۔

Marfat.com

جن ممالک میں سزائے موت منسوخ ہو چکی ہے وہاں وارداتِ قتل ہر سال کم ہوتی جا رہی ہیں۔ گزشتہ صدی سے سزاؤں میں نرمی کا دخل ہو چکا ہے۔ خونی سزائیں تقریباً منسوخ ہو چکی ہیں۔ اس خلافِ عقل سزا سے فرانس کو بھی عنقریب نجات حاصل ہو گی "

لندن اور فرانس کے ادیب اور سیاست دانوں کی ان صداؤں نے نشیب و فراز یورپ کو جو موت اور زندگی کے درمیان کھڑا تماشہ دیکھ رہا تھا قانون کے دروازے پر لا کھڑا کیا۔ چنانچہ ۳۰ اکتوبر ۱۸۳۰ء کو حکومت فرانس کے چیمبر میں جبکہ فرانسیسیوں نے اپنے بطلِ عظیم نپولین کی لاش کو سرزمین فرانس میں دفن کیا سزائے موت کی منسوخی پر بحث کا آغاز ہوا۔

اقرار اور انکار کے کئی برسوں کے بعد ۱۸۶۵ء میں انگلستان کے قانون میں صرف اس قدر لغزش آئی کہ سربازار پھانسی دینے کا رواج ختم کر دیا گیا اور ۱۹۳۲ء میں قانون کی کمر درمیان سے ٹوٹ گئی یعنی ۱۸ سال سے کم عمر کے بچے نیز حاملہ عورت کو پھانسی دینے کی سزا منسوخ کر دی گئی۔ لیکن یورپ کے دیگر عوام نے اپنی حکومتوں سے یہ حق منوا لیا کہ قتل کے جرم میں سزائے موت منسوخ کر دی جائے۔

آج بلجیم۔ ڈنمارک۔ پرتگال۔ نیوزی لینڈ۔ ہالینڈ۔ ناروے۔ رومانیہ۔ سپین۔ سویڈن اور امریکہ کی اکثر ریاستوں میں یہ قانون ختم ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے مقابلے میں امریکہ کو آج بھی جلاد کی تلاش ہے چنانچہ امریکن

Marfat.com

سٹار نیوز ایجنسی کی ایک اطلاع ہے :-

نیویارک ۱۱۔ اگست ۱۹۵۳ء ۔

دنیا کی ایک بھیانک ترین آسامی یعنی سنگ سنگ جیل کے جلاد کا عہدہ اس وقت خالی ہے۔ ۴۵ سالہ جوزف فرانسل جو چودہ برس تک اس عہدہ پر رہا ہے اور اس عرصہ میں دو سو تین مجرموں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا ہے

روزنامہ احسان ۱۳۔ اگست ۱۹۵۳ء

۱۹۴۸ء میں پھر سے لندن کے دارالعلوم میں سزائے موت کی منسوخی پر بحث شروع ہوئی اس موقعہ پر برگزیدہ افراد پر مشتمل ایک کمیشن مقرر کیا گیا۔ جن میں دو عورتیں تھیں سزائے موت کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کرنا کمیشن کا مقصد تھا۔ تقریباً چار سال کی طویل تحقیق کے بعد ۱۹۵۳ء میں اس کمیشن نے پانچسو صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ پیش کی جس پر حکومت کا سوا دو لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ رپورٹ کا حاصل یہ ہے :-

آئندہ جیوری کو اختیار حاصل ہونا چاہئے کہ وہ واردات قتل کی وجوہات کو [illegible] سے عدالت سے سزائے موت کی بجائے صرف سزا کی سفارش کرے۔

جیسا کہ ۱۹۳۱ء میں طے پایا تھا کہ اٹھارہ برس سے کم عمر کے بچے کو

Marfat.com

پھانسی کی سزا نہ دی جائے۔ کمیشن نے سفارش کی کہ اس عمر کو کم از کم اکیس سال کر دیا جائے۔

کمیشن نے قاتل کو کم سے کم وقت میں کم سے کم تکلیف کے ساتھ یقینی طور پر موت کی نیند سلا دینے کے طریقے پر بھی غور کیا۔ کمیشن کی رائے میں قاتل کو پھانسی پر لٹکانے کا موجودہ طریقہ سب سے زیادہ خاطر خواہ ہے۔

کمیشن نے قاتل کی خونی رگ میں نہایت زود اثر زہر کا ٹیکہ لگا کر ختم کرنے کے طریقے پر بھی سوچ بچار کیا۔

کمیشن نے امریکہ میں سزائے موت کے طریقوں پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

کمیشن نے ۱۹۳۲ء والی تجویز کو بھی رد کر دیا، کہ قتل کی مجرم عورتوں کو پھانسی کی سزا نہیں دینی چاہئے۔

اس رپورٹ پر ستمبر ۱۹۵۳ء میں دارالعوام میں بحث شروع ہوئی جس پر قدامت پسند اور لیبر پارٹی کے رہنماؤں نے بڑی سرگرمی سے حصّہ لیا۔ اوّل الذکر جماعت کی رائے تھی کہ غلط رحم انصاف کو کمزور کر دیتا ہے۔ اور نظم و نسق میں بہت سی خرابیاں آجاتی ہیں۔ آخر الذکر جماعت کے رہنماؤں نے رپورٹ کے اکثر حصّوں سے اختلاف کیا اور تجویز کی کہ کمیشن کی رپورٹ کے پیش نظر پانچ سال کے لئے سزائے موت کو منسوخ کر دیا جائے۔ فریقین کی بحث کے بعد یہ تجویز ۲۱۴ کے مقابل میں ۲۴۵ ووٹوں سے مسترد کر دی گئی۔

لندن کے اخبارات نے اس بحث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ سزائے موت کی بحث کے دوران میں اس سزا کے طریقے پر بہت کم غور کیا گیا۔

Marfat.com

ان حالات کے بعد سکاٹ لینڈ کے چرچ نے برطانیہ کے تمام مذہبی اداروں سے اپیل کی، کہ وہ پھانسی کی سزا کو منسوخ کرانے کی مہم سے تعاون کریں۔

ہندوستان کی حکومت بھی سزائے موت کی منسوخی پر سوچ بچار کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں بھارت کی مرکزی حکومت نے تمام صوبائی حکومتوں سے دریافت کیا ہے کہ وہ گذشتہ دس سال کے حالات اور واقعات کے پیش نظر سزائے موت سے متعلق اپنی رائے کا اظہار کریں۔

اسی سلسلے کی دوسری کڑی مشرقی پنجاب (بھارت) کے انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات شری بی۔ سی۔ کنوج نے انبالہ سنٹرل جیل میں قیدیوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

پھانسی اور عمر قید کی سزاؤں کو ختم کر کے طویل المیعاد سزاؤں میں تبدیل کرنے کا سوال حکومت ہند کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔

سوویٹ یونین نے ۱۹۴۷ء میں تمام روس میں سزائے موت کو منسوخ کر دیا تھا۔ اور اس پر سوویٹ کمیونسٹ اخبارات نے حکومت کے اس فیصلے کو اشتراکی انسانیت کا ایک عظیم کارنامہ قرار دیا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں ماسکو ریڈیو نے ۱۹۵۰ء میں اعلان کیا کہ

آئندہ قاتلوں کو روس میں پھانسی دی جائیگی۔ ۱۲ر جنوری ۱۹۵۰ء سے سزائے موت صرف ملک دشمن عناصر کو دی جاتی تھی۔ لیکن اب یہ سزا ان لوگوں کو بھی دی جائے گی جو دیدہ دانستہ قتل کے مرتکب ہوں گے۔ (رائٹر زلندن)

Marfat.com

سزائے موت کے طریقے

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں شکست کھانے والے ہندو پاک کے ہزارہا عوام کو انگریز حکمرانوں نے سرِراہ درختوں سے لٹکا کر سزائے موت دی۔ یہ وہی پرانا طریقہ تھا جو تاریخ کے گذشتہ اوراق پیش کر رہے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے زندگی کے سال بڑھتے گئے قانونی طور پر موت کے طریقوں میں تبدیلی آتی گئی۔ سزائے موت کی موجودہ شکل انہی طریقوں کی سلجھی ہوئی تصویر ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ قتل کے مقدمہ کی ابتدائی کارروائی سننے کے بعد ملزم کمیشن سپرد کر دیتا ہے۔ ملزم پر الزام ثابت ہو جائے تو اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔ جیل والے ایسے مجرم کو جیل کی ڈیوڑھی سے الٹی ہتھکڑی لگا کر پھانسی کی کوٹھڑی میں بند کر دیتے ہیں۔ گھر کے تمام کپڑے اتار کر جیل کا لباس پہنا دیا

Marfat.com

جاتا ہے۔ اس کوٹھڑی میں مجرم کو کوئی ایسی چیز نہیں دی جاتی جس سے خودکشی کرنے کا امکان ہو۔

ہائی کورٹ ـــ فیڈرل کورٹ ـــ گورنر (سے رحم کی درخواست)۔ ان جگہوں سے جب مجرم کے حق میں فیصلہ نہ ہو تو ہوم سیکرٹری (صوبائی گورنمنٹ) پھانسی کی تاریخ مقرر کرتا ہے۔ اور وہی مجرم کے گھر والوں اور جیل والوں کو اطلاع دیتا ہے تاکہ ضلع کے ڈپٹی کمشنر کسی مجسٹریٹ کی ڈیوٹی لگا سکے۔ اور ساتھ ہی ساتھ سول سرجن کو بھی مطلع کیا جاتا ہے کہ وہ پھانسی کے وقت موجود ہو۔

سزائے موت سے ایک دن پیشتر مجرم کو پھانسی کی آخری کوٹھڑی میں لایا جاتا ہے تاکہ وقت پر دوسرے مجرم اثر قبول نہ کریں۔ جیل ہسپتال کا ڈاکٹر مجرم کا وزن کرتا ہے۔ اسی قدر وزنی ریت کی بوری کو رسے سے باندھ کر پھانسی والے تختہ پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ تاکہ رسہ وقت پر گنہ گار کے بوجھ سے ٹوٹ نہ جائے۔ اس رسے پر سپرنٹنڈنٹ جیل کے دستخط ہوتے ہیں تاکہ رسہ تبدیل نہ کر دیا جائے۔

آخری دن شام سے ذرا پہلے مجرم کے ورثاء کو ملاقات کی عام اجازت ہوتی ہے۔ اس موقعے پر تو [illegible] کے سوال نہیں ہوتا۔

آخری رات مجرم کی دیکھ بھال میں قدرے اضافہ ہو جاتا ہے حتیٰ کہ حکام جیل رات کو وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں۔

سزائے موت کے اوقات موسم کے پیش نظر مقرر ہوتے ہیں۔ مثلاً

Marfat.com

موسم سرما ہو تو رات کے دو بجے جیل ہیڈ وارڈر مجرم کو اس کی کوٹھڑی سے اُٹھا ہتھکڑی لگا کر غسل کے لئے صحن میں نکالتا ہے۔ اتنے میں ڈیوٹی مجسٹریٹ سول سرجن۔ سپرنٹنڈنٹ جیل۔ داروغہ جیل۔ وارڈر اور نمبردار پہنچ جاتے ہیں۔ غسل کے بعد گنہ گار کو سیاہ لباس پہنایا جاتا ہے۔ اور پھر اس کے بازو اور ہاتھ اُلٹے باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اور اسے پھانسی کے تختے کی طرف لایا جاتا ہے۔ اکثر مجرم ایسے موقعے پر دم توڑ دیتے ہیں۔ لیکن اس پر بھی قانون اپنا منشا پورا کرتا ہے۔

جب مجرم کو تختے پر کھڑا کرتے ہیں۔ تو ٹخنوں تک اس کے پاؤں باندھ دیئے جاتے ہیں۔ اس دوران ــ افسران مجرم سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ پھر بھنگی اس کے سر پر سیاہ ٹوپی پہناتا ہے۔ اور رسّہ اس کے گلے میں ڈالتا ہے۔ مجرم کو اپنا مُنہ اور آنکھیں بند کر لینے کے اشارے کے ساتھ ہی بھنگی تختے کا کانٹا کھینچتا ہے۔ جس سے مجرم دھڑام سے نیچے گر جاتا ہے۔ تیس منٹ تک لاش بدستور لٹکی رہتی ہے۔ پھر نمبردار آگے بڑھ کر لاش کو پھانسی کے رسّے سے فارغ کرتے ہیں۔ اور لاش ورثاء کے سپرد کر دی جاتی ہے۔

پھانسی کی کوٹھڑی

پختہ اینٹوں والی سیمنٹ سے بنی ہوئی چھ فٹ مربع کوٹھڑی جس میں مجرم کو سیشن کورٹ سے لے کر رحم کی درخواست تک بند رہنا پڑتا ہے۔

Marfat.com

چاہے تین سال ہی کیوں نہ لگ جائیں۔

اس کوٹھڑی کے سامنے تقریباً دو فٹ چوڑا لوہے کی سلاخوں کا مضبوط دروازہ ہوتا ہے، جسے ہر وقت تالا لگا رہتا ہے۔ کوٹھڑی کے باہر اتنے ہی رقبہ کا صحن ہوتا ہے۔ بعض جیلوں میں یہ صحن چھت کے بغیر ہوتا ہے۔ اور بعض پر لوہے کے جنگلے لگے ہوتے ہیں۔ مگر ان کے باوجود لوہے کا مضبوط دروازہ اور تالا بھی لگا رہتا ہے۔

ہمہ اقسام کی یہ کوٹھڑیاں باقی مجرموں سے الگ ہوتی ہیں۔ ان کوٹھڑیوں کے لئے جیل وارڈروں کی گارد الگ ہوتی ہے۔ نوکری پر آنے والے ہر سپاہی کی تلاشی بڑی احتیاط سے لی جاتی ہے۔

Marfat.com

پھانسی کا تختہ

آٹھ فٹ مربع لوہے کے گارڈروں کا چوکھٹہ سا بنا ہوا ہوتا ہے۔ جس کے بالائی حصّے پر دو فٹ کے فاصلے پر تین نشان ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان وقتِ ضرورت رسّہ باندھ دیا جاتا ہے۔ اس پر تین مجرم بیک وقت پھانسی پر لٹکائے جا سکتے ہیں۔

اس کے نیچے نو فٹ گہرا کنواں ہوتا ہے جس پر شیشم کی لکڑی کے بوجھل تختے لگے ہوتے ہیں۔ یہ تختے عام طور پر مقفل رہتے ہیں۔ ان کے ایک طرف لوہے کا کانٹا لگا ہوا ہے۔ جس کے وقت پر کھینچنے سے دونو تختے نیچے گر جاتے ہیں۔ اور مجرم دھڑام سے نیچے جا رہتا ہے۔

پھانسی کا رسّہ

بارہ فٹ لمبا بیت کا رسّہ دو انچ موٹا ہوتا ہے۔ جس کے ایک سرے پر

Marfat.com

پیتل کی ایک بوجھل گوٹ سی لگی رہتی ہے۔ ضرورت کے وقت اس پر مُردہ سنگ استعمال کیا جاتا ہے۔ تاکہ کھینچتے وقت رسہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔

جلّاد

حکومت کے دیگر عہدوں کی طرح جلّاد کا بھی ایک عہدہ ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ اس کی اہمیّت میں بھی فرق آتا گیا۔ ممالک غیر میں جلّاد کی ذمہ واری جسیم، بےخوف اور بھیانک قسم کے آدمی کو دی جاتی ہے۔ مگر ہمارے ہاں یہ عہدہ نصف صدی سے ایک بھنگی خاندان کے سپرد کیا گیا ہے۔ قریباً ساٹھ برس ہوئے کہ بھجو نامی ایک بھنگی کو سزائے موت کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ ان دنوں پنجاب کا صوبہ ۳۶ ضلعوں پر مشتمل تھا۔ اس لئے بھجو اور اس کا ایک عزیز پہاڑی اور بھجو کا بھائی حسن کام کرتے رہے۔ بھجو کی موت کے بعد حسن۔ پہاڑی اور بدھو اس بوجھ کو سنبھالے رہے ۱۹۲۷ء میں حسن نے غازی علم الدین شہید کو پھانسی دینے سے انکار کر دیا تو اُسے نوکری سے الگ کر دیا گیا۔ ۶۵ سال کی عمر میں پہاڑی کا انتقال ہوا۔ اب اس کا لڑکا کالا یہ کام انجام دے رہا ہے۔ نانک اس کا معاون ہے۔ کالا اپنے بھائی تارے کو بھی مستقبل کے لئے تیار کر رہا ہے

تقسیم ملک سے قبل جلاد کی تنخواہ ساڑھے چھ روپے ماہوار تھی اور پانچ روپے سرکاری طور پر پھانسی دینے کے الگ ملتے تھے۔ لیکن پاکستان میں جلاد کی تنخواہ اکتالیس روپے ماہوار ہے۔ اور مبلغ سات روپے پھانسی

Marfat.com

دینے کے الگ وضع کئے جاتے ہیں. جبکہ امریکہ میں موت کے گھاٹ اتارنے والے جلاد کو ایک سو پچاس ڈالر اجرت ملتی ہے۔ جسے وہ کم خیال کرتا ہے۔

Marfat.com

یورپ میں سزائے موت کے طریقے

یورپ اور امریکہ میں سزائے موت کے مختلف طریقے رائج ہیں جن میں پھانسی پر لٹکانا بھی ہے، جیسے ہمارے ہاں رواج ہے۔

بجلی کی کرسی پر مجرم کو بٹھا کر اس کے سر اور ٹانگوں کے بال اتار دیئے جاتے ہیں۔ دھات کا ٹکڑا مجرم کے منڈے ہوئے سر پر اور دوسرا اس کی ٹانگوں پر باندھ دیا جاتا ہے۔ پھر بجلی کی تاروں کو ان دھات کے ٹکڑوں سے لگا دیا جاتا ہے۔ اس طرح بجلی مجرم کے سر سے پاؤں تک سرایت کر جاتی ہے۔ اگرچہ مجرم پہلے ہی جھٹکے سے ختم ہو جاتا ہے۔ تاہم دل کی دھڑکن بند کرنے کے لئے بجلی کے مختلف جھٹکے دیے جاتے ہیں۔

مجرم کو ایک بند کمرے میں اس کے کپڑے اتار کر کرسی سے باندھ دیا جاتا ہے۔ اس کے دل پر ایک آلہ رکھتے ہیں (جیسے سٹیتھوسکوپ) اس سے ڈاکٹر مجرم کی دل کی دھڑکن سن سکتے ہیں۔ اس کی ٹیوب کا دوسرا سرا ڈاکٹروں کے کمرے میں ہوتا ہے۔ جیسے ہی مجرم کا کمرہ بند ہوتا ہے۔ کرسی کے نیچے

Marfat.com

رکھے ہوئے مختلف پیالے جن میں زہریلی دوائیں ہوتی ہیں۔ خود بخود آپس میں مل جاتی ہیں۔ جن کے اثرات سے زہریلی گیس پیدا ہوتی ہے۔ اور تین سے سات منٹ تک مجرم کا دم رُک جاتا ہے۔ دوسرے کمرہ میں ڈاکٹروں کے کانوں میں سیٹھ سکوپ لگی ہوتی ہے۔ مجرم کے دل کی دھڑکنوں کی آواز بند ہو جاتی ہے۔

لنڈن کے ڈاکٹروں نے مشورہ دیا ہے۔ کہ ٹیکہ[۴] لگا کر سزائے موت دینا زیادہ بہتر ہے۔

کینیڈا کی حکومت نے سزائے موت کے متعلق جو کمیشن مقرر کیا تھا۔ اس نے حکومت کو مشورہ دیا ہے۔ کہ مارفیا[۵] کے انجکشن سے بہت جلد موت واقع ہو جاتی ہے۔

برطانوی رائل کمیشن نے سزائے موت کے لئے تجویز کیا ہے۔ کہ مجرم کو زہر[۶] کا پیالہ پینے پر مجبور کرنا چاہئے۔ اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے برطانیہ کے لارڈ پادری ارک بشپ نے کہا ہے۔ کہ یہ خودکشی کرنے کے مترادف ہے اور خودکشی گناہ ہے۔

پھانسی دینے کے اوقات :-

انگریزی عہد میں سزائے موت دینے کے اوقات مختلف نہ تھے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھار انگریز اپنی سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر اپنے باغیوں کو سزائے موت دینے وقت سے وقت ہو جاتا تھا۔ جیسے مارچ ۱۹۳۱ء میں بھگت سنگھ اور اسکے ساتھیوں کو بعد از دوپہر چار بجے تختہ دار پر لٹکا دیا تھا۔ مگر عام رواج یہ تھا کہ سورج کی موجودگی میں یہ کھیل نہ کھیلا جائے۔ صبح آٹھ بجے تک قانون کا منشاء پورا ہو جاتا تھا لیکن جیسے ہی پاکستان میں نئے رواج نے ختم لیا۔ سزائے موت پانے کے لئے

Marfat.com

بھی وقت کا تعین بھی خود ہی خیال کیا گیا۔ چنانچہ مروجہ آئین کے مطابق موسم گرما میں ساڑھے تین بجے صبح، سرما میں پانچ بجے صبح، موسم بہار میں ساڑھے چار بجے صبح، افسران متعلقہ قانون کا منشا پورا کر کے ان اوقات میں اپنی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اس وقت تک جیل کی عام گنتی بند رہتی ہے۔

بہت برس ہوئے کہ پرانے رسم کے مطابق گناہگار کو عوام کے سامنے کھلے میدان میں سزائے موت دی جاتی تھی۔ تاکہ آئندہ جرم کرنے والے کو تنبیہ رہے۔ مگر بعض واقعات کی بنا پر یہ سارا انتظام جیل کی چار دیواری میں منتقل کر دیا گیا۔

سزائے موت کے مجرم :-

جیسے ہی مجرم کو کوٹھڑی میں بند کیا جاتا ہے اس کے گھریلو کپڑے اتار کر جیل کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ لیکن پاجامے کے لئے ازار بند نہیں دیا جاتا کیونکہ اس سے خودکشی کا احتمال ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اور کوئی چیز گنہگار کے پاس نہیں رہنے دی جاتی جس سے کوئی خطرہ ہو۔ دن کے کسی حصے میں چند ایک منٹوں کیلئے گنہگار کو کوٹھڑی سے باہر صحن میں چہل قدمی کے لئے نکالا جاتا ہے۔ ورنہ دونوں موسموں میں گنہگار اسی مختصر کوٹھڑی میں موت کا منتظر رہتا ہے۔ اس کے لئے کسی فرنیچر کا انتظام نہیں [illegible] سرکاری طور پر یہ ذاتی جہاں تک کہ مجرم کو اپنے مقدمے کے کاغذات دیکھنے پڑیں تو مہینوں اس کی درخواست دفاتر کے چکر میں گھومتی رہتی ہے۔ ایسے مجرم کے لئے اچھی خوراک کا کوئی انتظام نہیں۔ خوراک ایسی ملتی ہے جو عام قیدیوں کو دی جاتی ہے۔

Marfat.com

عورت اور سزائے موت :-

۱۹۳۲ء میں لنڈن کے دارالعلوم نے یہ تجویز منظور کی کہ قتل کی مجرمہ کو سزائے موت نہ دی جائے۔ لیکن ۱۹۴۸ء کے مقرر کردہ کمیشن نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی رپورٹ (۱۹۵۳ء) میں لکھا کہ اس طریقہ سے جرائم میں مزید اضافہ ہونے کا امکان ہے۔ آخر گزشتہ برسوں سے قتل کی مجرم عورت کو اسی طرح سزائے موت دی گئی جس طرح بالغ مردوں کو۔ چنانچہ ستمبر ۱۹۵۳ء میں میری فیلڈ نامی برطانوی عورت کو لنڈن کے جیل خانے میں پہلی بار سزائے موت دی گئی۔ دیگر ۱۹۵۴ء میں مس کوسٹینی دوسری عورت ہے جسے اپنی بہو کے قتل کے جرم میں سزائے موت کا حکم ہوا۔

پاکستان میں پہلی بار سرداراں نامی عورت کو اپنی نند کے قتل کے جرم میں ۴ فروری ۱۹۵۹ء کو منٹگمری جیل میں پھانسی دی گئی ..... جھنگ گھمیانہ ایڈیشنل سیشن جج نے رحمی نامی عورت کو اپنے خاوند کو سنکھیا دیکر ہلاک کرنے کے جرم کی پاداش میں سزائے موت کا حکم دیا۔

جیل ایک ایسا مقام ہے جہاں آدمی کو اس کی موت کا وقت معلوم ہوتا ہے اگر آدمی کو زندگی کے عام حالات میں یقین ہو جائے کہ زندگی کی آخری منزل موت ہے۔ تو فکر انسانی حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے تجاوز نہ کرے۔ اور یہی دو راستے ہیں جن پر سفر کرتے وقت نگاہیں پاک اور دل صاف ہونے چاہییں۔ ورنہ تو انسان صراطِ مستقیم پر چل کر بھی گمراہی کے موڑ تلاش کرتا ہے۔

Marfat.com

جرائم

روحانیت سے تہی دامن انسانی ہاتھ جس بُری طرح اخلاق کی دھجیاں بکھیرتا ہے۔ اور پھر اس پر انسانیت سے لاتعلق انسان تمدن نو ساخت کی بنیاد استوار کر رہا ہے اگر آدمی بذاتِ خود کوئی بڑی شئے نہ ہوتا۔ تو خالق اور مخلوق کے مابین رشتے کی نوعیت بدل جاتی۔

زمانہ جس تیزی سے اپنا سفر طے کر رہا ہے انسانی گناہوں کا شمار بھی اسی عجلت سے بڑھتا جا رہا ہے۔ غربت اور امارت کا یہاں امتیاز نہیں۔ دنیا کے نشیب و فراز میں بسنے والا ہر آدمی برائی کے رنگ و روغن سے متاثر نظر آتا ہے۔

شاہراہِ زندگی کی ہر خوبصورت ... زاہنی چمک سے انسانی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے۔ اور اسی چمک سے انسان ٹھوکر کھا کر منہ کے بل بُری طرح گر لیتا ہے۔ اور اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا۔ کہ وہ کہاں جا رہا تھا۔ اس کی منزلِ حیات کس قدر باقی ہے ہزاروں سال گزارنے کے بعد انسان ہنوز روزِ اول کی طرح اسی جگہ میں کھڑا ہے۔ جہاں سے حیات تو اسے لے کر چلی تھی۔

Marfat.com

تنزل کی اس قدر گہرائی میں پہنچ کر انسان آج اپنی ترقی کے رُخ سے سوچ رہا ہے اسے اپنے قول و فعل میں تضاد نظر آتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے انسان اپنے قدموں پر واپس جانا چاہتا ہے۔ گو اس کے اپنے ہی گرد و غبار نے اس کا راستہ روک رکھا ہے۔ تاہم وہ اس کے لئے سوچ ضرور رہا ہے۔

۱۹۵۵ء کے وسط میں جنیوا میں انسداد جرائم کے لئے قریباً ساٹھ ملکوں کے نمائندے جمع ہوئے جن میں عدالتوں کے جج۔ پولیس کے سربراہ اور جیل خانوں کے آفسر شامل تھے۔ جس میں امریکہ کے نمائندے نے کہا :۔

"امریکہ کے اعداد و شمار کے بعد پتہ چلتا ہے۔ کہ نوجوانوں میں ۸۰ فیصد مجرم ایسے ہیں جو گھریلو حالات کی تلخیوں کے باعث جرائم کی دنیا میں داخل ہوتے ہیں ایسے حالات میں امریکہ کے اندر ہر چالیس منٹ کے بعد ایک قتل اور ہر اڑھائی منٹ کے بعد ایک کار جلائی جاتی ہے"

بھارتی نمائندہ :۔

"ہمارے ملک میں جرائم کی رفتار خطرناک حد تک بڑھ رہی ہے۔ کلکتہ اور بمبئی جیسے شہروں میں تو مجرموں کی باقاعدہ انجمنیں ہیں۔"

پاکستانی نمائندہ :۔

"ہمارے ہاں بھی جرائم زیادہ ہوتے ہیں۔ ان کی تہ میں مہاجرین کی آبادکاری کی خامی۔ رہائش کا مسئلہ۔ تعلیم کی کمی۔ اور اقتصادی وجوہات کارفرما ہیں۔"

لندنی نمائندہ :۔

"لندن یونیورسٹی میں قانون اور علم جرائم کے پروفیسر ڈاکٹر آردن فرسے"

Marfat.com

نے جرائم کی تیزی کے سلسلے میں کہا۔ ہر شخص میں مجرم بننے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ لیکن ان کی اصلاح بھی کی جاسکتی ہے۔ منصفوں نے مجرموں کو اپنے زاویے سے سوچنا شروع کیا۔

امریکہ کے مشہور مصنف ڈاکٹر الیگزینڈر کیتزے نے جرائم کا ارتکاب کرنے والے قیدیوں کے جیل کا معائنہ کیا۔ تاکہ ان مجرموں کے مسائل کی چھان بین کر سکیں۔ اور اندازہ ہو کہ آخر مجرم جرم کیوں کرتا ہے۔

ججوں نے اس پر مکالمے لکھے۔ جیسے کہ نیویارک کی سپیشل کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر کوپر نے تحریر کیا ہے :-

"میں امریکہ کی مصروف ترین عدالت جرائم کے بنچ کا چودہ سال تک رکن رہا ہوں۔ اس طویل عرصے میں میں نے پندرہ ہزار ایسے نوجوانوں کو مختلف سزائیں دیں جنہوں نے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ سزا بھگتنے کے بعد ان نوجوانوں میں سے ساٹھ فی صد بدترین جرائم کے مرتکب ہوئے اور ان میں سے بعض کا خاتمہ پھانسی پر ہوا۔ اگر میری عدالت اصلاح کے مناسب ذرائع بروئے کار لاسکتی تو مجھے یقین واثق ہے کہ ان بدنصیب نوجوانوں میں سے ۸۰ فیصد کو راہِ راست پر لایا جاسکتا تھا۔ یہی حالت دوسری عدالتی بورڈوں کی ہے۔

اکثر رہنمایانِ قوم کا یہ دعویٰ ہے۔ کہ مجرموں کو جیل میں بند کر دینا چاہئے ان کی اصلاح کے لئے مرکز قائم کرنے ماہرین نفسیاتِ کی خدمات حاصل کرنے اور اسی قسم کی دوسری ضرورتوں پر بے کار روپیہ خرچ کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو

Marfat.com

سالہا سال کے عملی تجربے سے ہم ججوں نے جو کچھ دیکھا ہے۔ وہ قومی رہنماؤں کے اس نظریے سے مختلف ہے ہمارے خیال میں ایسے نوجوانوں کو جنہوں نے زندگی میں پہلی بار جرم کیا ہو۔ بلا اقیاز جیلوں میں ٹھونس دینے سے جرائم میں کمی کی بجائے انتہائی اضافہ ہوتا ہے جرائم کی تعداد میں روز بروز خطرناک حد تک اضافے کی وجہ صرف یہی ہے۔ کہ نئے مجرموں کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے۔ جو انہیں ہمیشہ کے لئے جرائم کی شاہراہ پر ڈال دیتا ہے۔

میری عدالت عام طور پر معمولی جرموں کے مقدموں کی سماعت کرتی تھی۔ ڈاکے، چوری اور قتل وغیرہ کے جرائم سے میری عدالت کو کچھ سروکار نہ تھا۔ اس لئے مجھے ایسے مجرموں سے بارہا واسطہ پڑا جو پہلی بار کسی جرم کے مرتکب ہوئے تھے۔ ان ہزاروں مجرموں میں سے ایک کی مثال پیش کرنا چاہتا ہوں جس کو سزا دینے کی بجائے اصلاح کی طرف مائل کیا گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد وہ ایک کامیاب شہری ثابت ہوا۔

" ایک دفعہ میری عدالت میں چارلی نامی ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کو پیش کیا گیا۔ عدالت میں داخل ہوتے وقت اس نے کسی نامی ڈاکو کی طرح اکڑ اکڑ کر چلنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے چہرے سے بدحواسی عیاں تھی۔ اس کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ اور بازو کانپ رہے تھے۔ وہ زندگی میں پہلی بار قانون کا سامنا کر رہا تھا۔ گرفتاری، پولیس کی تحقیقات۔ عدالت کی ابتدائی سماعت اور انجام کے خوف نے پریشانی کے بادل اس کے چہرے پر ثبت کر دیئے تھے۔ ان سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ واقعی اپنے کئے پر پچھتا رہا ہے۔

چارلی کے قبضے سے چوری کے آلات برآمد ہوئے تھے۔ اس پر یہ الزام عائد کیا

Marfat.com

گیا تھا کہ یہ آلات چارلی نے خود تیار کئے ہیں۔ اور اُسے اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ ان آلات کو استعمال کرنے والا تھا۔ وہ بلاشبہ مجرم تھا۔ اور میں اُسے تین سال تک کی سزائے قید دے سکتا تھا لیکن میں نے اس کی اصلاح کرنے کی ٹھان لی چنانچہ میں نے اس روز فیصلہ نہ سنایا۔

اس رات میں اپنے ذہن سے چارلی کو نکال نہ سکا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی کوئی چیز ضرور تھی جس نے مجھے اصلاح پر مجبور کر دیا۔ میں اس بارے میں کافی دیر تک سوچتا رہا۔ اور بالآخر پولیس کو ہدایت کی کہ اس کے چال چلن کے بارے میں دوبارہ تحقیقات کرے۔ چارلی کی دوسری تحقیقاتی رپورٹ جب میرے پاس پہنچی۔ تو یہ ان صدہا نوجوانوں سے مختلف نہ تھی۔ جنہیں میں مختلف جرائم کے ارتکاب پر قید و بند کی سزائیں دے چکا تھا۔

چارلی کا والد فوت ہو چکا تھا۔ چارلی کی محنت کش والدہ کو اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے بہت کم وقت ملتا تھا۔ چارلی کے محلے میں بعض عادی چور بھی رہائش پذیر تھے ان میں سے بعض چارلی کے گہرے دوست تھے۔ چارلی کے متعلق تحقیقاتی رپورٹ کے جس حصے نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ وہ اس کی فنی اہلیت کے متعلق تھا۔ چارلی فطری طور پر مشینری کی طرف راغب تھا۔ اور چھوٹے چھوٹے پرزے بھی تیار کر سکتا تھا۔ چارلی باقاعدگی سے گرجے بھی جاتا اور مذہب کے لئے اس کے دل میں بے پناہ عقیدت تھی۔ اس قسم کے آدمی بہت کم حالات میں مجرمانہ زندگی اختیار کرتے ہیں۔

فیصلے کے روز میں بہت پریشان تھا۔ ہم ججوں میں سے اکثر کو اس امر کا

احساس ہوتا ہے۔ کہ ہم لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے ہیں۔ ہمیں اس بات کا تو پورا علم ہوتا ہے۔ کہ مجرم نے کون سا جرم کیا۔ اور اس کی کیا سزا ہے۔ لیکن ہم یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ وہ کیا حالات تھے جس کے تحت کوئی مجرم کس جرم کا مرتکب ہوا۔ حالانکہ اس طرف اگر تھوڑی سی بھی توجہ کی جاؤے۔ تو ہزاروں لوگ قہر نزلت میں گرنے سے بچ سکتے ہیں۔

مجھے بخوبی علم تھا۔ کہ چارلی ایک دوراہے پر کھڑا ہے۔ میرے چند الفاظ اس کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے۔ کافی تھے۔ میں اُسے جرائم کی زندگی گزارنے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔ اور اُسے ان خوفناک گہرائیوں میں گرنے سے بچا بھی سکتا تھا۔ میں نے اس پر سر سے پاؤں تک نظر ڈالی۔ اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اور اُسے ایک موقع دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ میں اُسے مشروط طور پر رہا کر دیا۔ اور اس سے تین سال تک کی ضمانت نیک چلنی طلب کر لی اس کے ساتھ ہی میں نے پولیس کے آفسر کو اس پر نگرانی کے لئے مقرر کر دیا۔

چارلی کے نگران افسر اپنا نیا عہدہ سنبھالنے کے بعد ایک روز مجھے بتایا۔ کہ چارلی کی اصلاح بہت مشکل ہے۔ لیکن ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے مجھے یقین ہے کہ وہ راہ راست پر آجائیگا۔ ایک سال یونہی گزر گیا۔ چارلی کا نگران آفیسر پھر میرے پاس آیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اب وہ میرا دوست ہے وہ مجھ پر اعتماد کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب ہم کامیابی کی جانب رواں دواں ہیں۔ چارلی اب ایک صنعتی سکول میں زیر تعلیم تھا۔ شام کے وقت وہ ایک دوکان پر شیرینی کی مرمت وغیرہ کا کام کرتا ہے۔ اور اس قدر کما لیتا جس سے

Marfat.com

اس کی تعلیم اور والدہ کے اخراجات بخوبی پورے ہوتے۔ اب اس کی والدہ کو بھی روزی کمانے کے لئے اتنی جدوجہد نہ کرنی پڑتی تھی۔ اور اب اسے اپنے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے کافی وقت مل جاتا تھا۔ چارلی کا ماحول بھی بدل چکا تھا۔ اور اس نے جرائم پیشہ لوگوں سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لئے تھے۔ اب اسے ذلیل کاموں کے لئے وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

جو نوجوان زندگی میں پہلی بار جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں انہیں عام طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلی قسم کے مجرم وہ نوجوان ہوتے ہیں۔ جو حوادثِ زمانہ کا شکار ہو کر اپنی راہ کھو بیٹھتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ بڑی آسانی سے راہ راست پر لائے جا سکتے ہیں۔ لیکن جب وہ ایک دفعہ جیل کا چکر لگا آئیں تو پھر ان کی اصلاح ناممکن ہو جاتی ہے۔

دوسرے قسم کے لوگ : مجرمانہ ذہن۔ خانگی مشکلات اور مجرمانہ کاموں کے زیر اثر جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس قسم کے مجرموں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اس قسم کے مجرموں کی اصلاح کا واحد ذریعہ ان سے ہمدردی کا اظہار انکی رہنمائی اور حوصلہ افزائی ہے۔ ہماری کمزوری اس قسم کے مجرم ہیں۔ ہم ایسے مجرموں کی کثیر تعداد کو جیلوں میں ٹھونس ان کی اصلاح و بحالی کے لئے کچھ بھی نہیں کرتے۔

تیسری قسم کے لوگ دوسری قسم کے مجرموں سے بہت حد تک ملتے ہیں لیکن ان میں فرق یہ ہوتا ہے کہ تیسری قسم کے لوگ رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں

Marfat.com

ان سے اگر ذرا بھی نرمی یا مہربانی سے سلوک کیا جائے تو وہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔

ممکن ہے کسی دن کوئی ماہر نفسیات ان کی اصلاح کا بھی کوئی حل تلاش کرے اور معاشرہ کو ان بدترین دشمنوں سے نجات مل سکے۔ اس قسم کے مجرموں کیلئے مناسب ترین جگہ جیل خانہ ہے۔

ہر چھٹے ماہ مجھے "نائٹ پرویلین کورٹ" میں چیف جسٹس کے فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ میرے پاس مجرموں کی طرف سے ہزاروں درخواستیں آتی ہیں۔ کہ انکی ضمانت نیک چلنی کی مدت کم کر دی جائے۔ میں اُن میں سے اکثر کی درخواستیں منظور کر لیتا ہوں لیکن اس قسم کا فیصلہ مکمل تحقیقات کے بعد ہی کرتا ہوں۔ اور انہیں عدالت میں بلا کر کہتا ہوں۔ تم مجرم تھے! تمہیں گرفتار کیا گیا! ! اور عدالت تمہیں جیل بھیج سکتی تھی! ! ! لیکن تمہیں نیک چلنی کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا! ! ! آج تم مجھ سے درخواست کرتے ہو کہ نیک چلنی کی اس ضمانت کے عرصہ کو بھی کم کر دیا جائے۔ میں تم پر اعتماد کرتا ہوں۔ اب تم اپنے جرم کو بہت پیچھے چھوڑ آئے ہو اور تم نے شریفانہ زندگی بسر کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ کہ تم نے اپنی مشکلات پر قابو پا لیا۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہنا چاہتا اب تم ایک اچھے شہری بن کر دکھاؤ۔

جج مجرموں کی حالت پر رحم کھا کر ان کی ..... سزائیں کم کر دیتے ہیں یا معاف کر دیتے ہیں۔ یہ رحم دراصل ان مجرموں پر نہیں کھایا جاتا بلکہ معاشرہ کی حالت زار پر کیا جاتا ہے عام لوگوں کو بھی اس مسئلہ میں گہری دلچسپی لینی چاہئے۔ اور یہ معلوم کرنا چاہئے کہ آیا ایسی عدالتوں اور عملہ کا انتظام ہے؟ جن میں پہلا جرم

Marfat.com

کرنے والوں کی اصلاح اور دیکھ بھال کی کوشش کی جاتی ہو۔

ہمیں اس بات کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ روحانی کمزوری جو لوگوں کو مجرم بناتی ہے اس کو صرف جیلوں میں ٹھونسنے اور جرمانے عائد کرنے سے دور نہیں کیا جا سکتا"

(نوائے وقت ۱۴ ستمبر ۱۹۵۲ء)

اس تحریک کے اثرات ججوں اور مصنفوں کے ذہن سے نکل کر آہستہ آہستہ ایوان حکومت میں پھیل رہے ہیں۔ ارباب اقتدار نے قانون کے اس باب کا مطالعہ پھر سے شروع کیا اور جیل خانوں کی محدود دنیا میں پرورش پانے والے عوام کو ایک ایسی نظر سے دیکھنے لگے ہیں کہ جیسے وہ انہی کے ہم جنس تھے۔ لیکن آج وقت نے انہیں ناموافق حالات کے پیش نظر مجرم اور انہیں قانون کا محافظ بنا دیا ہے چنانچہ جیلوں کے نظام میں تبدیلیاں آنے لگیں۔ ظلم کی جگہ مروت نے آگے بڑھ کر ان مجرموں کو خوش آمدید کہا جنہیں کل تک سماج نے راستے کا روڑہ سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا۔

چنانچہ برطانوی جیلوں کے کمیشن کو اختیار دیا گیا ہے۔ کہ ویسٹ مورلینڈ میں ولنمروپ (VALINROPE.) اور جنوبی لنکن شائر میں ویلنگور (VALINGORE) کے مقام پر دو اور جیل خانے بنائیں جو آہنی سلاخوں اور روایتی جنگلوں کے ...

ان کھلے جیل خانوں میں قیدیوں کو زیادہ سے زیادہ آزادی دی جائے گی اور ان کی نفسیاتی اصلاح کی غرض سے ان پر زیادہ سے زیادہ اعتماد و اعتبار پر زور دیا جائے گا۔ ان نئے اداروں میں دو سو قیدیوں کو رکھا جائے گا۔

Marfat.com

ان کا انتخاب ایسے قیدیوں میں سے کیا جائیگا۔ جو پہلی مرتبہ جرم کے مرتکب ہونگے اس سے قبل جو ایسے ادارے بنائے گئے، کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔ نیز ان کے نواح میں بسنے والے عوام کو ان قیدیوں سے کبھی شکایت کا موقعہ نہیں ملا۔

لیکن اس کے برعکس مغربی پاکستان کے جیل خانوں میں ہنوز وہی دھاچو کڑی مچی ہوئی ہے۔ جیل حکام کی فرعون مزاجی میں سرمو فرق نہیں آیا اگر انہیں اسکے لئے باقاعدہ ٹریننگ دی جائے تو ممکن ہے حالات اس سے مختلف ہوں جیسے بھارت گورنمنٹ نے کیا۔

لکھنو کے جیل ٹریننگ سکول میں جیل کے پندرہ آفیسروں کو قیدیوں کیساتھ برتاؤ کرنے کے لئے سائنٹفک (Scientific) تربیت دینے کا کام شروع کر دیا ہے۔

سکول میں جیلوں کے عملے کو ایسی تربیت دی جاتی ہے کہ وہ جیلوں کے اندر قیدیوں سے ان کے ضروری مسائل .... جرائم کی روک تھام اور انتظام کے متعلق سائنٹفک تربیتی رویہ اختیار کر سکیں۔

(روزنامہ احسان ۴ جون ۱۹۵۳ء)

لیکن ہمارے ہاں تعلیم سے فارغ ہوتے ہی نوجوانوں کو بلا کسی تربیت کے جیل حکام میں شامل کر دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ شب و روز قیدیوں اور افسروں کے درمیان ہنگامہ آرائی رہتی ہے۔

(۲) پاکستان سے باہر کی دنیا نے جیل خانوں کو نئے سرے سے آراستہ کیا ہے اپنے ملک کے قیدی کے ذہن سے یہ احساس چھین لیا ہے کہ وہ قیدی ہے چنانچہ

Marfat.com

جاپان کے جیل خانوں میں قیدی (Television) دیکھتے ہیں نظمیں لکھتے اور انگریزی پڑھتے ہیں۔ وہاں تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہے۔ قیدی مہینے میں دو مرتبہ سینما دیکھتے ہیں۔ ان کے رشتہ دار ہر روز ان سے ملاقات کر سکتے ہیں۔

روزنامہ آفاق ۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء

قاہرہ، حکومت کے اس فیصلے کے بعد کہ مصر میں قیدیوں کو بیڑیاں پہنانے کا رواج ختم کر دیا جائے۔ آج سے مصر میں قیدیوں کی زنجیریں اتار دی گئیں مصر کے وزیر جنگ اور افواج مصری کے کمانڈر انچیف عبدالحلیم نے آج جیل جا کر خود قیدی کی زنجیر کھولی۔ آج رات مصر کی تاریخ میں پہلی مرتبہ قیدیوں کو فلم شو دکھائے جائیں گے

روزنامہ امروز ۱۲ فروری ۱۹۵۵ء

مصر کی مشہور فلم سٹار اور رقاصہ طاہیہ نے کل قاہرہ کے جیل خانہ میں اپنے ساتھیوں کو ایک شاندار پارٹی دی۔ انہوں نے باہر سے کافی چیزیں منگوائیں اور انہوں نے جیل کی کوٹھڑی میں دوسرے قیدیوں کو بھی مدعو کیا۔ اس تقریب کے موقعہ پر انہوں نے اپنے رقص کا مظاہرہ کیا۔ لوگوں کا کہنا ہے۔ کہ اگر یہ رقص قید خانے سے باہر ہوتا تو قیدی تو درکنار عام لوگ بھی نہ دیکھ سکتے۔ کیونکہ اس کے لئے انہیں بھاری فیس ادا کرنی پڑتی۔

طاہیہ پر کمیونسٹوں سے کام کرنے کا الزام ہے ابھی ان پر مقدمہ نہیں چلایا گیا۔ انہیں حال ہی میں اپنی پُر رونق قیام گاہ سے گرفتار کر کے قید کیا گیا ہے مذکورہ تقریب کی وجہ یہ تھی کہ جیل میں ایک خاتون کے ہاں بچہ پیدا ہوا تھا۔

(سٹار لندن ۴ جنوری ۱۹۵۵ء)

Marfat.com

مگر پاکستان کے جیل خانوں میں قیدیوں کو ایک جگہ مجتمع ہو کر عیدین کی نماز اور دوسرے مذہبی تہواروں کی ادائیگی میں بھی آہنی دیواریں حائل ہیں۔

شاید دیگر ممالک کی انہی سہولتوں کو دیکھ کر ڈاکٹر جگن سابق وزیر اعظم نے کہا تھا۔

"یہ حقیقت ہے کہ جیل فراغت کیلئے عمدہ جگہ ہے۔"

رائٹر تسنیم ۱۵ ستمبر ۱۹۵۹ء

(کٹک) ضلع جیل کے قیدیوں نے بطور ریڈیو آرکسٹرا کے ریڈیو اسٹیشن پر میوزک اور فوق ڈانسوں کے پروگراموں میں حصہ لیا۔

پروگراموں کا افتتاح کرتے ہوئے نائب وزیر داخلہ نے کہا کہ یہ اقدام اصلاحات کے سلسلہ میں ہے جو قیدیوں کے سدھار کے لئے کی جا رہی ہے۔

بیکانیر جیل میں قیدیوں نے خود اپنی عدالت قائم کی ہے تاکہ جیل کے اندر قانونی خلاف ورزیوں کا انسداد کیا جائے۔

یہ عدالت آٹھ ججوں پر مشتمل ہے۔ جو سب کے سب، قیدی ہیں سپرنٹنڈنٹ جیل عدالت کے صدر ہیں۔ جج جن مقدمات کے فیصلے کرتے ہیں صدر ان کی تصدیق کر کے ان پر عمل کراتے ہیں۔

سزائے موت کے مجرم جنہیں موت کے انتظار میں پھانسی کوٹھڑی مہینوں بلکہ برسوں گذارنے پڑتے ہیں۔ جن دشواریوں سے دست و گریبان ہوتے ہیں وہی جانتے ہیں انہیں چند لمحوں کے سوا ہر موسم کے شب و روز مختصر کوٹھڑی کے طول و عرض میں بسر کرنے پڑتے ہیں۔

Marfat.com

مقدمہ کے دوران ایسے مجرموں کو کوئی ایسی سہولت نہیں دی جاتی۔ کہ وہ تسلی بخش طریقہ سے اپنے مقدمہ کی پیروی کر سکیں۔

انہیں برائے مطالعہ کوئی ایسا لٹریچر مہیا نہیں کیا جاتا کہ وہ اپنی آخرت کے متعلق فکر کر سکیں۔

انہیں سزائے موت ملنے کے بعد بہتر خوراک نہیں دی جاتی۔

انہیں عزیز اقارب سے ملنے میں وہ آزادی نہیں جو ایسے مجرموں کو غیر ممالک نے دے رکھی ہے۔

یورپ کے جیل خانوں میں سزائے موت کے مجرموں کو تمام سہولت دی جاتی ہیں۔ جیسے کہ مسٹر وائٹ چیمن جسے اکیتس ۳۱ جولائی ۱۹۵۶ء کو پھانسی دی جانی تھی اپنے بیان میں کہتا ہے:۔

"میں نے موت اور قانون کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی پھانسی کوٹھڑی کو ایک اچھے خاصے وکیل کے دفتر میں تبدیل کر دیا۔ قانون کی بیسیوں کتابیں ٹائپ رائٹر اور کاغذوں کا انبار منگوا لیا۔ ان کی روشنی میں زندگی اور قانون کی جنگ کا اعلان کر دیا۔

مجھے ان کتابوں کے مطالعہ پر ۳۰۰۰ ہزار گھنٹے صرف کرنے پڑے۔ قانونی رسالوں سرکاری ریکارڈ۔ قانونی دستاویزات کے مطالعہ پر ۲۰۰۰ ہزار گھنٹے صرف ہے۔ اس طرح میں نے قانون کو موم بنا لیا۔ سرکاری وکیلوں کو تگنی کا ناچ نچایا۔ مجھے جیل سے عدالت تک بیسیوں دفعہ آنا جانا پڑتا تھا۔

Marfat.com

جس دن مجھے پھانسی ملنی تھی۔ اس سے گیارہ روز قبل میری دوسری کتاب شائع ہو چکی تھی۔ جسے ایک فلم کمپنی نے پچیس ہزار پونڈ میں خرید لیا" اس تمام کردوکاوش کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجرم جسے اکتیس جولائی کو سزائے موت ملنی تھی۔ اس کی اپیل تیس جولائی کو منظور ہو گئی اور وہ بری کر دیا گیا

برطانیہ کے ایک شخص مسٹر ماٹن جسے ۱۹۵۳ء میں سزائے موت ہوئی۔ اس کا کہنا ہے جیل کے دو محافظ میری نگرانی کے لئے مقرر کئے گئے اس نگرانی کو جیل کی زبان میں موت کی نگرانی کہتے ہیں۔ میرے محافظ باری باری ڈیوٹی بدلتے۔ وہ بڑے مہربان اور میرے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے تھے۔ بعض اوقات اپنی بیویوں کی طرف سے مجھے تحفے بھی لا کر دیتے تھے۔

میرے دل کے بہلانے کو تاش اور شطرنج کھیلنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ میری کوٹھڑی کے سامنے ہر صبح وارڈ پریڈ کرتے تھے۔ جس سے میری دلچسپی قائم رہتی۔

Marfat.com

نابالغ مجرم

تقسیم ملک سے پیشتر نابالغ مجرموں کے لئے دہلی میں ریفارمیٹری کا انتظام تھا بوسٹل جیل لاہور کے بعد بچوں کی اکثر تعداد وہیں رکھی جاتی تھی۔ کم سے کم تین سال وہاں گزارنے کے بعد بہت کم مجرم ایسے ہوتے جو پھر سے جرم کا ارتکاب کرتے۔

دہلی ریفارمیٹری کی تربیت حکام کا سلوک بچوں کو والدین کی محبت سے بے نیاز کر دیتا تھا۔ پاکستان میں اس قسم کا کوئی ادارہ ہنوز قائم نہیں ہو سکا۔

امریکہ آج دنیا کے متمدن ممالک کی صفِ اول میں شمار ہوتا ہے لیکن نوعمر مجرموں کا مسئلہ وہاں کے حکمران لوگوں کے لئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں خفیہ پولیس کی جو رپورٹ شائع ہوئی طابق :-

"چار لاکھ پینتیس ہزار لڑکے اور لڑکیاں جرائم کے سلسلہ میں عدالتوں کے سامنے پیش کئے گئے۔"

یورپ کے دیگر ممالک بھی اسی طرح نوعمر مجرموں کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے سامنے

Marfat.com

سپرانداز ہو چکے ہیں۔ ان کے لئے عدالتوں کا انتظام الگ کرنا پڑا۔

ہالینڈ نے سب سے پہلے ۱۹۱۵ء میں نوعمر مجرموں کے لئے ایک انجمن کی بنا ڈالی۔ ۱۹۳۲ء میں برطانیہ نے ایک قانون وضع کیا جس کی رو سے نوعمر لڑکے اور لڑکیاں دوسرے مجرموں سے الگ رکھے جاتے تھے۔

اٹلی کے وزیر داخلہ نے اگست ۱۹۴۹ء میں آوارہ نوعمروں کی دیکھ بھال کے لئے ایک خاص پولیس کا دستہ قائم کیا۔

دی آنا قانون کے مطابق چودہ سال سے کم عمر مجرموں کے مقدمات پولیس کی امدادگار خواتین کرتی ہیں۔

اسرائیلی حکومت میں چودہ سال سے کم عمر کے مجرم کو ہتھکڑی نہیں لگائی جاتی اور نہ ہی تصاویر یا انگلیوں کے نشان لئے جاتے ہیں۔

لیکسمرگ میں نوعمر مجرم کو گرفتار کرتے وقت پولیس وردیاں نہیں پہنتی۔

برطانیہ میں مجرم بچوں کی گرفتاری عام طور پر زنانہ پولیس کے ذریعے عمل میں لائی جاتی۔ فرانس میں پولیس کو ہدایت ہے کہ وہ نابالغ مجرم کو ہتھکڑی مجبوری حالت میں لگائیں۔

اس کے ساتھ ساتھ مغربی ممالک نے اپنے عدالتی انتظام بھی نوعمر مجرموں کے لئے الگ کر رکھے ہیں۔ برطانیہ میں ایسی عدالتوں کے کمرے عام عدالتوں سے الگ ہوتے ہیں۔ یہ اگر ممکن نہ ہو۔ تو پھر یہ عدالتیں ان دنوں کام کرتی ہیں جب دوسری عدالتیں بند ہوں۔

فرانس میں ۱۹۴۵ء سے ایسا ہی رواج قائم کیا گیا ہے۔

Marfat.com

اسرائیل میں نوعمروں کے مقدموں کی سماعت بند کمروں میں ہوتی ہے۔
سویڈن میں اٹھارہ سال سے اکیس سال تک لڑکے لڑکیوں کے مقدمات کی دیکھ بھال ایک عوامی ادارہ کے سپرد ہوتی ہے۔
ڈنمارک میں نوعمر مجرموں کے مقدمات کی دیکھ بھال کرنے والے عوامی اداروں کے ممبر کا انتخاب بلدیہ کے ووٹر کرتے ہیں۔
تمام مغربی ممالک میں نوعمر مجرموں کے لئے جیل خانوں کا نام تربیتی یا اصلاحی جیل خانے ہیں ان کی تمام تربیت اسکولوں جیسی ہے۔ اب ان جگہوں کا نام بھی ٹریننگ سکول رکھا گیا ہے۔ وہاں کے ماہرین کا کہنا ہے:۔
"ان اسکولوں نے بڑی ترقی کی ہے اور ابھی بہت سی ترقی کی گنجائش ہے"
گو غیر ممالک کی دیکھا دیکھی پاکستان گورنمنٹ نے جون ۱۹۵۵ء میں اعلان کیا تھا۔ جو گیارہ جون کے اخبارات میں شائع ہوا۔
مرکزی حکومت نے بارہ لاکھ روپے کے خرچ سے ایک ٹریننگ ہاؤس اور ہوسٹل انسٹیٹیوٹ جس میں تقریباً ۶۰۰ نوعمر بچوں کے رہنے کا بندوبست ہوگا جہاں انہیں مختلف پیشوں کی تربیت دی جائے گی۔
اس میں سزا یافتہ اور زیر سماعت مقدمات کے مجرموں اور ملزموں کے لئے الگ الگ بلاک [illegible] بلاک ہوگا۔
اس میں سکولوں، ہسپتالوں، کھیل کے میدانوں اور مختلف پیشوں کی تربیت دی جائے گی۔
حکومت کے اس اعلان کو ملک کے عوام نے بڑی گرمجوشی سے [illegible]

Marfat.com

اس پیسٹر ناشنا مر ورز کا اداریہ بہت پسند کیا گیا۔

بلوغت سے پہلے ہی نہایت سنگین جرائم کے ارتکاب کا مسئلہ معاشرت اور نفسیات کے ماہروں اور قید خانوں کے حکام کے غور و فکر کا ایک قدیم موضوع ہے۔ علوم کی ترقی نے کم سن مجرموں کی اصلاح کے پروگراموں میں بڑی گنجائش پیدا کر دی ہیں۔ اقوام متحدہ نے بھی دنیا کے قریب قریب تمام ممالک میں ان مجرموں کے حالات کا مطالعہ کیا ہے۔ اور بعض ایسی تجاویز پیش کی ہیں کہ اگر ان پر نہایت التزام سے عمل کیا جائے۔ تو انہی مجرموں کو سزا بھگتنے کے دوران میں پر امن اور مفید شہری بنایا جا سکتا ہے۔ اور یوں نہ صرف ان خاص افراد کی زندگی تباہی سے بچ سکتی ہے۔ بلکہ اس اصلاح سے پورا معاشرہ اور اس معاشرے کا مستقبل متاثر ہوتا ہے پاکستان میں کم سن مجرموں کو سزا تو ضرور دی جاتی ہے۔ مگر ان کی اصلاح کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ حالانکہ ان مجرموں کے ذہنوں میں اس تصور کا پیدا ہونا ہی خطرناک ہے کہ وہ سزا بھگت رہے ہیں یہ تصور انہیں منتقم مزاج اور ضدی بنا دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں نہ صرف وہ عمر بھر جرائم کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں۔ بلکہ یہ زہر سارے معاشرے میں سرایت کرتا۔ اور پھیلتا رہتا ہے۔ خوشی کی بات ہے۔ کہ اب حکومت پاکستان نے کم سن مجرموں کی تعلیم، تربیت اور پرورش کی طرف متوجہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور کراچی میں ایک بورسٹل انسٹی ٹیوٹ قائم کی جانے والی ہے جس میں ۶۸۰ مجرموں کی جدید سائنٹفک طریقوں سے تعلیم کا انتظام کیا جائے گا اور انہیں مختلف مفید پیشوں کی تربیت دی جائے گی۔ ہمیں امید ہے کہ حکومت نے اس سکیم کے متعلقہ تقاضوں پر بھی غور کر لیا ہوگا۔

Marfat.com

مغربی پاکستان کے جیل

قیام مغربی پاکستان سے پہلے پنجاب میں بیس کے قریب جیل خانے تھے اور آج بھی ہیں جن میں تقریباً بیس ہزار آدمی روزانہ اپنے جرموں کی پاداش میں سزائیں بھگت رہے ہیں۔ مغربی ممالک کے جیل خانوں کے مقابل پاکستان کے یہ جیل خانے جہنم کدہ معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ حکومت پاکستان نے اپنی تغافل شعاری پر کئی بار افسوس کیا۔ جیسے کہ جینوا کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے۔ پنجاب کے انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات مسٹر جی ایم سعید نے کہا

مجرموں کو نئے طریقہ ۔۔۔ تمام چند ملکوں میں رائج کر دیا گیا ہے لیکن پاکستان کے جیل خانوں میں ابھی تک کسی قسم کی اصلاح نہیں کی گئی۔

پاکستان میں بھی وہ طریقے نہایت خوبی سے چل سکتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ جیلوں میں گنجان آبادی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اخراجات بھی پہلے کی نسبت

Marfat.com

کم ہو جائینگے۔

اگست ۱۹۵۳ء میں ڈھاکہ اسمبلی کے ممبر مسٹر ایم۔ دھیرنے (کانگریسی) ایک غیر سرکاری قرارداد پیش کرتے ہوئے کہا

حکومت جیلوں کی اصلاح کی طرف مناسب توجہ نہیں کر رہی۔ اس محکمہ کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ قیدیوں کی حالت بہتر بنانے کے لئے ابھی تک کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا حکومت کو اس مسئلہ پر انسانی نکتہ نظر سے غور کرنا چاہیئے اور ایسی تدبیر اختیار کرنی چاہیئے کہ قیدی ملک کے اچھے شہری بن سکیں۔

حکومت پنجاب نے ۱۹۵۰ء میں جیلوں کی اصلاح کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جس نے ۱۹۵۲ء میں ایک سو اٹھارہ صفحات پر مشتمل رپوٹ حکومت کو پیش کی جن میں سے کچھ کی منظوری صوبائی حکومت نے دی۔

۱۔ قیدیوں سے چکی پلیسنے، بان بٹنے اور دیگر سخت کام نہ لئے جائیں

۲۔ قیدیوں سے صنعتی کام لئے جائیں۔ جو رہائی کے بعد انکو روزی کمانے میں مدد دیں۔

۳۔ ایسے قیدیوں کو جو کسان طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں۔ جدید اصولوں کے طریقے سے زراعت کی تربیت دی جائے۔

۴۔ قیدیوں کو احساس کمتری سے بچانے کیلئے اچھا لباس پہنایا جائے۔

جہاں تک جیلوں میں سخت مشقت کا تعلق ہے متحدہ پنجاب کے وزیر جیلخانہ لالہ بھیم سین سچر نے ان کا خاتمہ ۱۹۴۶-۴۷ء میں کر دیا تھا۔ البتہ حکام جیل قیدی کو بطور سزا کے چکی پلیسنے کی سزا دیتے تھے۔

Marfat.com

اپریل ۱۹۵۵ء میں اقوام متحدہ کی تنازات علم الجرائم پر غور کرنے کے لئے پاکستان کے جیل خانوں کے انسپکٹر جنرل کی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر جیل خانہ جات چوہدری علی اکبر نے کہا :

پنجاب کی جیلوں میں بہت سی اصلاحات کر دی گئی ہیں۔ قیدیوں کو اچھی طرح خوراک مہیا کی جاتی ہے اور انہیں پہلے کی نسبت بہتر ماحول میں رکھا جاتا ہے تاہم مقامی جیلوں میں اب بھی مزید اصلاحات کی ضرورت ہے۔

وقت آگیا ہے کہ ہم نفسیاتی امور میں جدید ترین سائنسی تحقیقات سے استفادہ کریں اور قیدیوں کو مریض سمجھ کر ان کا نفسیاتی علاج کریں جیلوں میں چھوٹے پیمانے پر صنعتیں قائم کی جائیں۔ جو قیدی کو مطلوبہ تنخواہ ادا کریں۔

انہی دنوں وزیر جیل خانہ کے پارلیمانی سیکرٹری نے ایوان حکومت میں ایک بیان دیا۔

سنٹرل جیل (لاہور) میں قیدیوں سے ملاقات کے لئے خاص کمرے کا انتظام کیا گیا ہے جس میں بنچ اور میزیں موجود ہیں۔ ان کمروں میں قیدی اپنے رشتہ داروں کے ساتھ پہلو بہ پہلو بیٹھ سکتے ہیں۔

ورنہ جیلوں میں عام رواج تھا۔ کہ قیدی اور ملاقاتی کے درمیان لوہے کی جالی ہی حائل رہتی تھی۔

بعض جیلوں میں دکانوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ جہاں سے قیدی اپنی روزانہ ضرورت کی اشیاء خرید سکتے ہیں۔

قیدیوں سے عام سلوک بہتر ہو گیا ہے۔

اسی اجلاس میں حکومت سے ایک سوال کیا گیا۔

Marfat.com

کیا حکومت جیلوں میں بید زنی کی سزا ختم کرنے کی تجویز کر رہی ہے۔

جواب وزیر اعلیٰ نہیں

پارلیمانی سیکرٹری کے بیان کا متن صرف اتنا ہے کہ لاہور سنٹرل جیل میں واقعی دکانیں اور ملاقات کے کمرے الگ کر دیئے گئے ہیں پنجاب کی دیگر جیلوں کی باری کب آتی ہے؟

آہ کو چاہئے اِک عمر اثر ہونے تک

حکومت کے ان اعلانات کو مغربی پاکستان کے اخبارات نے بہ نظر اطمینان دیکھا نیز مختلف عنوانات کے تحت ان پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔

پاکستان کے وزیر داخلہ نے پارلیمنٹ میں اعتراف کیا ہے کہ جیلوں کے نظم و نسق کی اصلاح بہت ضروری ہے۔ جیلوں کو تعزیر خانوں کے بجائے اصلاحی اداروں میں بدلنا ضروری ہے تاکہ جیل جانے والے اچھے شہری بن سکیں اور جیلوں سے باہر آئیں تو ملک کی معاشرتی بہتری میں حصہ لے سکیں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ مسئلہ حکومت کے زیر غور ہے۔

جیلوں کی اصلاح کا یہ وعدہ یقیناً خوش آئند ہے لیکن سوال یہ ہے کہ حکومت اصلاحات کو رائج کرنے کے سلسلے میں کونسا ڈھب اختیار کرے گی۔ قیدیوں کی ذہنی حالیوں کی کیفیت کن ذرائع سے معلوم کریگی۔ اور جیلوں کے عملے کی ذہنی اصلاح کا ایسا کونسا طریقہ رائج کریگی۔ جس سے وہ سزا کے تصور کو اصلاح میں بدل سکیں۔ دراصل جیلوں کی اصلاح کے سلسلے میں اب تک جو اصلاحی اسکیمیں تیار ہوئی ہیں ان میں قیدیوں کے بجائے قید خانوں کے منصرم حضرات

Marfat.com

زیادہ دخل ہوتا ہے اور حکومت بھی اصلاحات کے سلسلے میں سب سے پہلے انہیں سے مشورہ ضروری سمجھتی ہے۔ حالانکہ قیدیوں کی حالت کو قیدیوں سے بہتر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ اور جیل کا سٹاف ان کی ضروریات کے متعلق غلط نقطۂ نظر قائم کرنے پر محض اس لئے مجبور ہے کہ وہ قیام پاکستان سے پہلے کا یہ فرائض انجام دے رہا ہے۔ اور انگریز جو اپنے ملک کے قیدیوں کے لئے اصلاح کی خوبصورت تجاویز پر عمل کر رہا تھا غلام ملک کے قیدیوں کو مصلحتاً ذلت اور پستی کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتا تھا۔ ملک کی اکثریت کو جاہل رکھنے اور آزادی کے جذبات پر پہرے بٹھائے رکھنے کے پس پردہ اس استعماری اور استبدادی حکومت کے جو مقاصد تھے۔ وہ سب پر ظاہر ہیں اور جیلوں کو گناہ اور جرم کے اندھیرے میں لپٹے رکھنے کی روایت بھی غیر ملکی حکومت کی اسی ناپاک اسکیم کی ایک ضروری شق تھی۔ ہمارے جیلوں کا پرانا اسٹاف اسی قدیم نظم وضبط کے اصولوں پر عمل پیرا ہے اور ان پر کامل یقین رکھتا ہے۔ وہ اصلاح کے روپ میں اپنے اختیارات کی شکست دیکھنے لگتا ہے۔ اور حکومت کو چند ایسے اصلاحی اقدامات کا مشورہ دیتا ہے جو ممکن ہے کاغذ پر تو بڑے حسین معلوم ہوں لیکن زیر عمل آنے سے قیدیوں کی بدنصیبی میں کوئی کمی پیدا نہیں کر سکتے اور ان کے ساتھ غیر انسانی طرز سلوک کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے

قید خانوں کو تعزیر خانے ... الاطور تاریخ انسانی کے ابتدائی اور متوسط دور سے تعلق رکھتا ہے مہذب دنیا نے اپنے ہاں کے مجرموں کو ان کی مجبوریوں کے پس منظر میں دیکھنا شروع کیا۔ تو جیلوں کے مروجہ نظام میں اصلاحیں ہونے لگیں اور اب تو دنیا اس نتیجے پر پہنچ چکی ہے کہ ہر مجرم اپنے ماحول کی کسی نہ کسی خرابی

Marfat.com

کی وجہ سے مسلمہ اخلاقی اقدار کی حد بندیاں توڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ چور ہو یا ڈاکو غنڈہ ہو یا قاتل اس کے تہذیب دشمن عمل کے پس پردہ اس کے معاشرتی حلقے اور اسکی ذہنی تعمیر کی پوری تاریخ کارفرما ہوتی ہے اور اگر علم معاشرت اور علم نفسیات کے ماہرین کو ان عوامل کے تجزیئے پر مقرر کیا جائے اور اس طرح ان کے نتائج کی روشنی میں ایک سائنٹیفک اصلاح کی اسکیم مرتب کی جائے۔ تو یقیناً ہماری سوسائٹی کے یہ بدنصیب لوگ جیلوں میں سزا بھگتنے اور اپنے غلط یقینوں میں مضبوط تر ہونے کے بجائے اپنے آپ کو سنبھالنے پر قادر ہو سکیں گے۔ اس میں انہیں یہ یقین دلانا بہت ضروری ہوگا۔ کہ انسان فطرتاً اوباش۔ بدمعاش اور غلیظ نہیں اور بنیادی طور پر انسان شریف اور عظیم ہے۔ جب تک انسان کو اپنی عظمت اور کارگاہ جہاں میں اپنی اہمیت کا احساس نہیں ہوگا وہ اوّل تو بزدل اور پست رہیگا۔ ورنہ مجرم بن جائے گا۔ اور ہمارے جیل خانے اسے عادی مجرم بناتے رہینگے حتیٰ کہ وہ ہمیشہ کے لئے سماج کی گندگیوں کے ڈھیر میں ایک بیکار چیتھڑے کی طرح جا گرے۔

ہم زیر داخلہ کو مشورہ دینگے کہ جیلوں کی اصلاح ایک بڑی اخلاقی مہم ہے جس کے لئے حکومت کو عام انداز سے ہٹ کر بہت گہرائی میں جانے کی ضرورت ہے سب سے پہلے اصلاحات کی سکیم مرتب کرنے کے لئے حکومت کو جیل اسٹاف کے بجائے ملک کے پڑھے لکھے طبقے کا تعاون حاصل کرنا چاہئے جو اپنے نظری اور عملی علم کو بھی بروئے کار لائے۔ اس سلسلے میں قیدیوں کے حالات بچشم خود دیکھنا۔ اور ان سے بات چیت کرنا بیحد ضروری ہے۔ اسکیم کے مرتب ہونیکے بعد جیل کے اسٹاف کو

Marfat.com

ذہنی طور پر ان اصلاحات کو قبول کرنے کے لئے تیار کرنا۔ اس مہم کی پہلی شق ہونی چاہئے بصورت دیگر اصلاحات کی کامیاب سے کامیاب اسکیم بھی عملی صورت میں ناکام ہو کر رہ جائیگی اور اس کے الفاظ بند الماریاں میں رکھی ہوئی فائلوں ہی میں چمکتے رہ جائینگے۔

مشرقی پاکستان اسمبلی میں ایک کانگریسی رکن نے ایک قرارداد میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے۔ کہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق قیدیوں سے سلوک اور جیل خانوں کے عام نظم ونسق میں اصلاح کی جائے قرارداد میں جیلوں کے حالات کا جائزہ لینے اور اصلاح احوال کے لئے سفارشات پیش کرنے کے لئے ایک کمیٹی کے تقرر کا مطالبہ کیا گیا ہے وزیر جیل خانہ جات نے اس مطالبے کا یہ جواب دیا کہ مرکزی حکومت کے زیر اہتمام مختلف صوبوں کے انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات کا ایک اجلاس کراچی منعقد ہوا تھا جس میں جیل خانوں کی اصلاح کے ذرائع کا جائزہ لینے کے بعد اصلاح احوال کے لئے سفارشات پیش کی گئی تھیں۔ یہ سفارشات اب حکومت کے زیر غور ہیں۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے۔ کہ انسپکٹر جنرل جیلخانہ جات کی یہ کانفرنس فروری سنہ ۱۹۵۱ء میں منعقد ہوئی تھی اور اس کے بعد غور وخوض کا ذکر بھی وزیر موصوف نے ضرورتاً ہی کیا ہے اگر اسمبلی میں یہ قرارداد پیش نہ ہوتی۔ تو شاید اس کی کبھی نوبت ہی نہ آتی۔

قیدیوں کی اصلا[illegible] ایک انسانی مسئلہ ہے۔ اس میں تاخیر و تعویق کو کسی طرح جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ قید و بند سے صرف مجرموں کو ہی دوچار نہیں ہونا پڑتا۔ بلکہ بسا اوقات ایسے لوگوں کو مختلف وجوہ کی بنا پر جیل جانا پڑتا ہے جن کو "جرم" کے تحت شمار نہیں کیا جاتا۔ لیکن اس بات سے بیشتر لوگ اتفاق کرینگے

Marfat.com

کر قید خانہ میں جرم کی نوعیت اور قید کی وجوہ کی بنا پر کوئی تمیز و تفریق روا نہیں رکھی جاتی۔ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے بعض اوقات سیدھے سادھے لوگ بھی جیل سے رہا ہونے کے بعد " ولایت پلٹ " مجرم بن جاتے ہیں۔ جیلوں کی حالت کے بارے میں مختلف لوگوں نے وقتاً فوقتاً جو تاثرات و خیالات پیش کئے ہیں وہ بیسا اوقات اتنے گناونے ہوتے ہیں۔ کہ ان پر سرسری نظر ڈالتے ہی انسان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات تصور ہی میں نہیں آسکتی کہ اس ماحول میں کچھ دن بسر کرنے کے بعد کوئی انسان اس کے گناونے اثرات کو قبول کرنے سے محفوظ رہ سکتا ہے قید کا مقصد تعزیر کے ساتھ اصلاح بھی ہوتا ہے قید خانے کے انتظام میں بھی ان امور میں ہم آہنگی ہونی چاہئے بلکہ اصلاح کے پہلو کو زیادہ اہمیت حاصل ہونی چاہئے۔

اس وقت بھی جیلوں کے حالات کا معائنہ کرنے کے لئے غیر سرکاری ارکان کی کمیٹیاں ہوتی ہیں۔ لیکن ان کمیٹیوں کی رکنیت صرف اعزاز اور نمائش تک محدود ہے اگر ان کمیٹیوں کے ارکان اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے اور معائنہ کے اغراض و مقاصد کے مقتضیات کو پورا کرتے تو انسپکٹر جنرل کی سفارشات ابھی تک زیر غور نہ رہتیں بلکہ اب تک ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کئی اقدامات ہو چکے ہوتے۔

حکومت کو قیدیوں کے مسئلہ پر انسانی نقطہ نظر سے غور کرنا چاہئے۔ قیدی کو راہ گم کردہ انسان سمجھ لیجئے یا معاشرہ کے لئے خطرناک۔ لیکن تعزیر کے ساتھ اصلاح کے امکانات کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے۔ عبرت اور انتقام میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس وقت جیل خانوں میں انتقام کا پلہ بھاری ہے اصل ضرورت عبرت اور اصلاح کا پلہ بھاری کرنے کی ہے۔

Marfat.com

ہمارے ہاں ابھی جیلوں میں قیدیوں کی نگہداشت سے متعلق جدید تصورات اختیار نہیں کئے گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ جیل کی سختیوں اور صعوبتوں میں یقیناً کمی ہوتی جارہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جیلوں کے نظم و نسق میں اور قیدیوں کی دیکھ بھال کے متعلق جدید تصورات کو ضوابط میں بھی مناسب جگہ دی جائے۔ جیلوں کے متعلق جدید تصور یہ ہے۔ کہ جو لوگ معاشرہ کا کوئی قانون توڑنے کے مرتکب ہوں۔ اُن کو معاشرہ سے الگ کر دیا جائے۔ تاکہ معاشرہ ان کے مزید شر سے محفوظ رہے اور اس علیحدگی میں ان کی ایسی ذہنی اور نفسیاتی تربیت کی جائے کہ جب وہ معاشرہ میں واپس جائیں۔ تو وہ ایک قانون پسند شہری ہوں۔

ہمارے ہاں قیدیوں کی مشکلات اور مصائب کے متعلق عوام میں زیادہ تر اطلاعات سیاسی قیدیوں کی وساطت سے پہنچتی ہیں اس لئے عمومی توجہ سیاسی قیدیوں کے حالات و کوائف تک محدود رہتی ہے۔ اور دوسرے یعنی اخلاقی قیدیوں کا مسئلہ توجہ کا مرکز نہیں بن سکا۔ گذشتہ سال کے اواخر میں رنگون میں اس مسئلہ کے متعلق ایشیائی ممالک کی ایک کانفرنس بھی ہوئی تھی۔ جس میں حکومتوں کے سامنے بعض اصلاحی تجاویز کی سفارش کی گئی تھی۔ مرکزی حکومت کو اس کی رپورٹ موصول ہو چکی ہے۔ اس رپورٹ کو نہ صرف شائع کیا جانا چاہئے کہ عوام میں اس مسئلہ کے متعلق دلچسپی پیدا ہو بلکہ ان سفارشات کو عملاً نافذ کرنے کی بھی تدبیر کر[illegible] اہیں۔

جیلوں کی اصلاح پر [illegible] سے پاکستان میں جیلوں کے اعلیٰ حکام کی پہلی کانفرنس ۱۹۵۱ء میں منعقد ہوئی تھی۔ اب ایک ایسی ہی کانفرنس لاہور میں ہو رہی ہے جس کا افتتاح کرتے ہوئے۔ جیلوں کے صوبائی وزیر نے بتایا ہے کہ اگرچہ پنجاب کی

Marfat.com

جیلوں کے نظم ونسق میں بہت سی اصلاح کردی گئی ہیں۔لیکن ابھی مزید اصلاحات کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کہا کہ مجرم دراصل ذہنی مریض ہوتا ہے اس لئے اس کا نفسیاتی علاج ہونا چاہیئے اس مقصد کے لئے ایسے سرکاری حکام مقرر ہونے چاہیں۔ جو انسان دوست ہوں اور اصلاح کے شدید جذبے کے تحت کام کریں قیدیوں کو امداد دینے والی سوسائٹی کو قیدیوں کے معاملات میں زیادہ دلچسپی لینی چاہئے اور بعض چھوٹی صنعتوں کو جیلوں میں منتقل کردینا چاہئے۔جہاں قیدی مزدوری کریں۔ اور باقاعدہ اس کی اجرت حاصل کریں۔ جیلوں اور قیدیوں کی اصلاح کے سلسلے میں یہ سب تجاویز یقیناً خوش آیند ہیں۔ مگر ہمیں افسوس ہے کہ وزیر موصوف نے کسی تدارک کی تجویز کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ سب سے زیادہ اس امر پر زور دینے کی ضرورت ہے کہ مجرمانہ ذہنیت پیدا ہی نہ ہونے پائے اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں۔ جن میں جرم کی طرف کسی کی طبعیت رجوع ہی نہ کرسکے۔

اقوامِ متحدہ کے زیر اہتمام قیدیوں کی اصلاح کا جائزہ لینے والوں نے بھی اس بات پر زور دیا ہے۔ کہ مجرموں کے علاج سے زیادہ پرہیزی تدابیر پر عمل کرنا ضروری ہے۔ تاکہ مجرموں کی تعداد کم سے کم رہے۔ اس بنیاد پر قیدیوں کی اصلاح کی تدابیر سوچنا کہ جیلوں کو تو بہرحال قیدیوں سے ہمیشہ بھرے رہنا ہوگا۔

نہایت غلط تصور ہے اور سب سے پہلے اس کی اصلاح ضروری ہے اسکے ساتھ قیدیوں کی اصلاح کی مہم جاری رکھی جاسکتی ہے۔ اس کے تحت قیدیوں کی رہائش۔ خوراک۔ ورزش۔ طبی امداد۔ تنظیم۔ بیرونی دنیا سے تعلق اور مطالعہ وغیرہ کی شقیں ہیں اور قیدیوں کے ساتھ جیلوں کے حکام کے برتاؤ کا اہم معاملہ

Marfat.com

ہے۔ بہر کیف خوشی کی بات ہے کہ ارباب اختیار گزشتہ آٹھ برس میں دو مرتبہ تو جیلوں اور قیدیوں کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے ہیں یہ الگ بات ہے کہ سنہ ۱۹۵۱ء میں جو اصلاحات نافذ ہوئی تھیں۔ انہیں جیل کے اکثر سرکاری حکام اور اہل کاروں نے محض اس لئے سخت ناپسند کیا تھا کہ ان اصلاحات میں قیدیوں کے ساتھ ذرا سے شریفانہ سلوک کا پہلو نکلتا تھا۔ اور اہلکار قیدیوں کے ساتھ انسانی برتاؤ کے عادی نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ یہ اصلاحات نیم دلی سے نافذ کی گئیں۔ اور یہ اب تک نامکمل صورت میں نافذ ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ یہ چار روزہ کانفرنس اِن تمام مسائل پر غور کرے گی اور اگر اس نے مزید اصلاحات کا کوئی فیصلہ کیا تو ایسے انتظامات بھی کرے گی کہ ان اصلاحات پر پوری طرح عمل بھی ہو اور اہلکاروں کی ذہنیت میں بھی تبدیلی پیدا ہو۔ کیونکہ جس طرح مجرم ذہنی مریض ہوتا ہے۔ اسی طرح مجرم کو حیوان سمجھنے والے بھی فوری نفسیاتی علاج کے محتاج ہیں۔

پنجاب میں عرصہ سے پرزنرز ایڈ سوسائٹی قائم ہے جس کے مقاصد یہ ہیں۔
قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو قانون کا احترام کرنا سکھایا جائے اور وہ بھی کچھ اس انداز سے کہ پرامن شہری بننا ان کے لئے باعث مسرت ہو۔
جرائم کی تکرار کو [illegible] قیدیوں کو برسر روزگار ہونے میں مدد دی جائے۔

قیدیوں کے اہل وعیال اور جیلوں کے اندر خود قیدیوں کی امداد کی جائے۔
اور جن رہا شدہ قیدیوں کا کوئی گھر نہیں۔ انہیں برسر کار ہونے تک کریک ہوم

Marfat.com

میں رکھا جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ مقاصد نہایت نیک ہیں اور اگر ان پر باقاعدگی سے عمل کیا جائے تو قیدیوں کی بدحالی اور جرائم کی رفتار کو خاصی حد تک روکا جا سکتا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ گذشتہ سات برس میں اس سوسائٹی نے قیدیوں کو قانون کا احترام سکھانے کے سلسلے میں کیا کچھ کیا ہے۔

کتنے سابق قیدیوں کو پرامن شہریوں کی حیثیت سے آباد کیا گیا ہے۔

قیدیوں کے اہل وعیال کی امداد پر کتنی رقم صرف ہوئی۔ اور اس عرصہ میں ان سابق قیدیوں کی تعداد کتنی ہے جنہیں برسرکار ہونے سے پہلے کریک ہوم میں رکھا گیا۔

بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی بھی قابل ذکر کام نہیں ہوا اگر کچھ ہوا ہوتا۔ تو سوسائٹی کی ایگزیکٹو کمیٹی کے حالیہ اجلاس میں اس کا ذکر ضرور ہوتا بہرحال اگر گذشتہ سات برس میں کچھ نہیں ہو سکا۔ تو اس غفلت پر پچھتانے یا کسی کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے بنیادی کام یہ ہے کہ اب کچھ کرنے کا عزم کیا ہے۔ اور خوشی کی بات ہے۔ کہ سوسائٹی کی مجلس منتظمہ کے فیصلوں میں سرگرمیوں کی تجدید کے ارادے جھلک رہے ہیں۔ سوسائٹی اپنی اضلاعی شاخوں کو سرگرم کرنا چاہتی ہے صوبائی اور اضلاعی کونسلوں کے قوائد اور آئین میں بعض مفید ترامیم پر غور کر رہی ہے امید کرنی چاہئے کہ سوسائٹی محض نام کی سوسائٹی کے کردار کو چھوڑ کر اس میدان میں وسیع اصلاحی پروگرام شروع کریگی جو حکومت اہل ثروت اور خدمت خلق کا جذبہ رکھنے والوں کے لئے کھلا ہوا ہے۔

Marfat.com

ترقی یافتہ ملکوں میں جیل خانوں کے اصلاح خانے بنا دیئے گئے ہیں۔ اور جیلوں کا ماحول تربیتی مراکز کے ماحول میں بدل گیا ہے۔ جہاں عادی مجرموں کا نفسیاتی علاج کیا جاتا ہے۔ رہائی کے بعد قیدیوں کی اقتصادی خود کفالت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ انہیں مختلف ہنر سکھائے جاتے ہیں اور یہ لوگ جب جیلوں سے باہر آتے ہیں۔ تو ان کی دنیا بدل چکی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ہمارے ملک کے قید خانوں کا ماحول نہایت خوفناک ہے۔ یہاں تعلیم و تربیت کے بجائے دھونس اور دہشت سے کام چلایا جاتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مجرم جیل کے اندر نئے نئے جرائم سیکھتا ہے اور اس کی ذہنیت بالکل مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔

جن قیدیوں کے اہل و عیال کی امداد لو یہ موزوں نہایت تلخ ہے۔ جب ہنگامی قوانین کے تحت گرفتار کئے ہوئے سیاسی کارکن فیملی الاؤنس سے محروم رہتے ہیں۔ تو اخلاقی قیدیوں کے بارے میں اس قسم کی بات سوچتے ہوئے بھی جھجک محسوس ہوتی ہے۔

پاکستان کے قید خانوں اور قیدیوں سے سلوک کے طریقے کار میں ہمہ گیر اور دور رس اصلاحات کی ضرورت ہے۔ اور اگر پرزنرز ایڈ سوسائٹی چاہے تو اسکی سرگرمیاں ان اصلاحات کی بنیاد بن سکتی ہیں۔

پنجاب اسمبلی میں ایک ،، فیصلوں میں طویل تاخیر کا مسئلہ سامنے آیا ہے۔ اور وزیر اعلےٰ نے یقین دلایا ہے کہ حکومت اس بات کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ کہ جن قیدیوں کے مقدمات کے فیصلے نہیں ہوئے ان کی کارروائی بلا تاخیر مکمل ہونی چاہیئے۔ جن کی وجہ سے جیلوں میں گنجائش پر بہت زیادہ

Marfat.com

بار پڑا ہے۔ اور غیر صحت مند حالات پیدا ہوئے ہیں۔

زیر مقدمہ قیدیوں میں سب سے قابل رحم حالت اُن کی ہوتی ہے جن کو ماتحت عدالتوں سے موت کی سزا سنائی گئی اور انہوں نے اس کے خلاف اپیل کی ہوتی ہے۔ موت کی سزا سنائے جانے کے ساتھ ہی انہیں خاص کوٹھڑیوں میں محبوس کر دیا جاتا ہے اور جب تک اپیل کے مختلف مراحل کے بعد کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ انہیں زندگی میں موت کی آغوش میں رہنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اپیل کے فیصلے میں دو چار ہفتے نہیں لگتے۔ اکثر اوقات سال سے بھی زیادہ وقت صرف ہو جاتا ہے اور اس دوران بھی وہ زندہ درگور کی کیفیت سے دوچار رہتے ہیں۔ ایک طرف ان کے سروں پر موت کا سایہ منڈلاتا رہتا ہے۔ دوسری طرف کرب ناک ماحول میں قید اور وہ بھی کئی ماہ تک ان کے لئے موت سے بھی زیادہ دردناک سزا کے مترادف ہوتی ہے اس سلسلہ میں نہ صرف قوائد و ضوابط میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ بلکہ مقدمات اور اپیلوں کے جلد از جلد فیصلوں کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔

(۶) لاریب آج بنی نوع انسان اپنی روحانی کمزوریوں سے تائب ہو کر معصیت کے خارزار راستے سے دامن زندگی سنبھالتا ہوا صراطِ مستقیم کی طرف مڑ رہا ہے

یورپ اور ایشیا کے حکمرانوں کو اپنے آئین و ضوابط میں تبدیلیاں کرنی پڑیں اور اُنہیں محسوس ہوا۔ کہ انسان سے گناہ ہو سکتا ہے اس کے پائے استقلال میں لغزش آسکتی ہے۔ لیکن یہ مرض لاعلاج نہیں اور اس کے لئے حکومتوں نے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیئے اور ایسے حکیم تلاش کئے جو مریض سے نہیں بلکہ مرض سے گفتگو کر سکیں۔ نگاہوں کے راستے دل اور دماغ کے تمام روزنوں سے

Marfat.com

جھانک کر دیکھ سکیں کہ انسان جو کائنات میں خدا کا نائب کہلاتا ہے نیکی کی راہ چھوڑ کر برائی کی طرف کیوں مائل ہوا !

۱۹۲۶ء میں محکمہ اصلاح اسیران قائم ہوا۔ اور اس محکمہ پر ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ سالانہ صرف ہوتا تھا۔ ۱۹۵۵ء کے آخر میں اس محکمہ کو جیل خانے میں مدغم کرنے کی تجویز صوبائی حکومت کی کابینہ میں اکثر پیش ہوئی۔

ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ کہاں اور کیسے صرف ہوتا تھا۔ اسکی ہلکی سی جھلک تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں تحقیقاتی عدالت کے روبرو بیان دیتے ہوئے مولانا محمد بخش مسلم نے کہا :-

"گواہ نے تسلیم کیا کہ وہ فروری ۱۹۵۳ء تک اُسے (محمد بخش مسلم) محکمہ اصلاحات کی طرف سے پندرہ سو تراون روپے کی رقم ملی تھی۔ اُس نے کہا (محمد بخش مسلم) یہ رقم اسے ان تقریروں کے معاوضہ کے طور پر ملی تھی جو اس نے جیل خانوں میں کی تھیں۔ یہ تقریریں قیدیوں کی اخلاقی اصلاح کے متعلق تھیں"

ایک اور :-

سوال : کیا جیلوں میں تقریر کرنے والوں میں امیر بخش پہلوان بھی شامل تھے ؟

جواب : جی ہاں ! اُنہیں اس لئے منتخب کیا گیا تھا۔ کہ وہ بورسٹل جیل (لاہور) میں نوجوان قیدیوں کو حسا[illegible] ت اور ابتدائی مذہبی امور کے بارے میں تعلیم د[illegible] ۔

سوال : کیا امیر بخش پہلوان پڑھے لکھے شخص ہیں ؟

جواب : جی نہیں !

Marfat.com

سوال : کیا امیر بخش پہلوان کو ۱۷ مارچ ۱۹۵۲ء سے لے کر ۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء تک تین سو چھپن روپے دیئے گئے۔

جواب : میں صرف یہ جانتا ہوں کہ اُنہیں فی لیکچر پچیس روپے ملتے تھے۔ اس کے علاوہ راوی روڈ سے بورسٹل جیل تک آنے جانے کا کرایہ تانگہ بھی ملتا تھا۔

قیدیوں کے اصلاحی کاموں پر دوسری حکومتیں بھی روپیہ صرف کرتی ہیں لیکن قرینے سے اور سلیقے سے نہ کہ ایسے طریقوں سے جس کا نتیجہ روپیہ برباد کرنے کے سوا کچھ نہ ہو اس سلسلہ میں بہاولپور ایک مثالی جیل خانہ ہے۔ جہاں کہ قیدیوں کی اصلاح پر پوری ذمہ داری سے توجہ کی جاتی ہے۔

بغداد الجدید کی اطلاع کے مطابق :-

"تقریباً ایک ہزار قیدی اس وقت گھریلو صنعتوں کی وجہ سے اپنی شاندار زندگی گذار رہے ہیں ان صنعتوں پر ان قیدیوں نے دسترس حاصل کی تھی۔"

"ریاست بہاولپور کے دارالاصلاح (جیل خانہ) میں ریاست کے قیدیوں نے ۸۷ فٹ لمبا اور ۲۰ بیس فٹ چوڑا، ایک قالین تیار کیا ہے اس کے بارے میں گھریلو صنعتوں کے ڈائریکٹر نے بتایا کہ برصغیر پاک و ہند میں اس سے بڑا قالین آج تک تیار نہیں کیا گیا اس قالین کا وزن ۲۴ من ہے اور اس پر ۲۴ قیدیوں نے سات ماہ تک کام کیا۔"

اگر ایک طرف قیدیوں سے ان کی اصلاح کے پیشِ نظر محنت لی جاتی ہے۔ تو دوسری طرف ان کی دلبستگی کا سامان مہیا کیا جاتا ہے چنانچہ ریاست بہاول پور کے حکام نے فیصلہ کیا ہے

Marfat.com

قیدیوں کو معلوماتی فلمیں دکھائی جائیں۔ تاکہ ان کی تفریح بھی ہو سکے اور
ان کو تعلیم بھی دی جا سکے تاکہ ان کا اخلاق بلند ہو اور ان کی اصلاح میں اضافہ ہو
ان طور طریقوں کی وجہ سے بہاولپور سنٹرل جیل ایک ہی جیل ہے جو اپنے تمام تر
اخراجات کی کفیل ہے۔

۱۹۴۸ء میں اس جیل کی آمدنی ۱۰۰۰۰ ہزار روپیہ سالانہ تھی۔ لیکن
اب تین لاکھ سے بھی بڑھ کر ہے۔

ریاستی جیل خانہ کے ان صنعتی انتظامات کو سراہتے ہوئے جاپان کے سفیر متعینہ پاکستان
ہز ایکسیلینسی گیومی۔ یاماگاٹا نے کہا تھا۔

جہاں تک قیدیوں کی اصلاح کا تعلق ہے اس ادارہ کا انتظام قابل تعریف ہے
اور یہ ادارہ اگر ساری دنیا میں نہیں، تو کم از کم مشرق بھر میں اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے
جرمنی کے مشہور جسمانی ڈاکٹر ہنزریگ نے بہاولپور جیل کو دیکھ کر کہا۔
"کاش یورپ کے بہت سے جیلوں میں بھی وہ سی ترقی یافتہ طریقے اختیار
کئے جائیں۔ جو اس جیل میں اختیار کئے گئے ہیں"

بہاولپور کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ریاست خیرپور نے قیدیوں کی اصلاح کا اعلان
کیا۔

قیدی جیل میں [illegible] انہ [illegible]، جس کا نصف قیدی کو اپنے
بیوی بچوں کو بھیجنے کی اجازت ہوگی۔
ریاستی جیل کے قیدیوں سے بہتر سلوک اور تعلیمی سہولتیں بہم پہنچانے
کا اعلان کیا گیا ہے۔

Marfat.com

ان اصلاحات کا مقصد یہ ہے کہ جیل سے رہا ہونے والے قیدیوں کو سوسائٹی کا ایک باعزت رکن بننے کے لئے تعلیم دی جائے۔

جیل خانہ میں فرصت کے لمحات اگر ضائع نہ کئے جائیں اور حکومتیں ان سے کام لینا چاہیں تو تاریخ عالم کی بہت سی چیزیں یہیں سے ایجاد ہو سکتی ہیں۔ ماضی کی تاریخ گواہ ہے۔ کہ دنیائے ادب کی بہت سی کتابیں انہیں لوہے کی سلاخوں کی اوٹ میں بیٹھ کر تربیت دی گئیں اور وہ آج ہمارے ادب کی جان سمجھی جا رہی ہیں۔ جن میں :-

غبارِ خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد	
پاکستان اور اچھوت	افضل حق چوہدری	(انگریزی)
جیبیات	مولانا ظفر علی خان	
دستِ صبا	فیض احمد فیض	
کال کوٹھڑی	حمید اختر	
جیل کے دن جیل کی راتیں	ابراہیم جلیس	
تاریخ عالم	پنڈت جواہر لعل نہرو	(انگریزی)
جیل کے خطوط	آسکر وائلڈ	
جیسیات	جانباز مرزا	
سماج کے پھوڑے	جانباز مرزا	

ان کے علاوہ سامانِ حرب کی اکثر چیزیں انہی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں محبوس ذہنوں کی پیداوار ہیں۔ جیسے کہ :-

Marfat.com

ٹومی گن　　　　مسٹر کار بائلن ولیم

نے اس مہلک ہتھیار کو جرمن کے جیل خانہ میں بہ حیثیت قیدی کے ایجاد کیا۔

غرض جیل خانہ کی چار دیواری ہنوز ایسے لوگوں کو اپنے پہلو میں لئے بیٹھی ہے جن کے دماغ سوچ سکتے ہیں۔ جن کے قدم برائی سے ہٹ کر نیکی کی راہ اختیار کر سکتے ہیں۔ ان کی نگاہیں آج بھی ایسے قانون کی متلاشی ہیں۔ جو انہیں فسق و فجور کے بھنور سے نکال کر انسانیت سے ہمکنار کر سکے۔ لیکن حکومت کی سست روی نے اس گوشہ سے اپنی نگاہِ التفات اس طرح پھیر رکھی ہے کہ جیسے بیس ہزار انسانوں کا یہ جنگل اب کسی کام کا نہیں رہا۔۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔۔ بلکہ

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

(۷) عقلِ انسانی ایک طرف چاند اور سورج کی کھوج میں آسمان تلک پہنچ چکی ہے۔ دوسری طرف عیب کو اتنا خوبصورت ہنر بنا دیا ہے۔ کہ حکومتوں کے کاغذی قانون دیوار پر کھڑے منہ تک رہے ہیں۔ یورپ سائنس کی دنیا میں پرورش پانے والے لوگوں کا ملک ہے وہ بھی سماج کے مجرموں کے کارناموں پہ داد دے اٹھا ہے۔

ایک عادی چور جو تین سو کے قریب لوہے کے سیف بغیر چابی کے کھول چکا تھا جب وہ پکڑا گیا۔ تو اس　　　کہا گیا۔ کہ تو بغیر چابی کے سیف کیسے کھول لیتا ہے۔ چور نے یہ راز بتانے سے انکار کر دیا۔ عدالت نے اسے تین سال قید کی سزا دی۔

آخر چور اور پولیس کے درمیان یہ بات طے پائی۔ کہ اگر تو (چور) اس راز

Marfat.com

کو اپنے تئیں محدود رکھے۔ تو ہم تو تمہیں منہ مانگی رقم دینگے۔ اس پر چور نے وعدہ کیا۔ کہ اگر مجھے رہا کر دیا جائے۔ تو میں آئندہ چوری نہیں کرونگا چنانچہ اسے رہا کر دیا گیا۔ آج کل وہی چور سیف بنانے والی بہت بڑی کمپنی کے پاس ملازم ہے

امریکہ میں ایک قیدی نے رہائی کے بعد ایک کتاب تصنیف کی جس میں اس نے اپنے گزشتہ جرائم کی تفصیلات بیان کر دی اس نے لکھا میں نے سیف کیسے کھولے نقب زنی کیسے کی۔ یہ کتاب جب محکمہ تفتیش کے پاس پہنچی۔ تو اس نے مصنف کو بلا کر اس سے وعدہ لیا۔ کہ وہ آئندہ اس قسم کی دوسری کتاب نہیں لکھے گا مصنف کی یقین دہانی پر موجودہ کتاب کی تمام جلدیں بازار سے ناپید کر دی گئیں اور اس کے معاوضہ میں اسے بھاری رقم دی۔ جس سے مصنف اپنی باقی زندگی آرام سے بسر کر سکے۔

پرتگال کا مشہور فریب کار جو مدرس، اسپین اور پرتگال کے بنکوں سے اکثر جعلی چیکوں کے ذریعے روپیہ وصول کرتا رہا۔ فرانس اور بلجیم کے بنکوں سے بھی اسی طرح کیا۔ لیکن وہاں کی پولیس اپنی تمام چابکدستوں کے باوجود اُسے گرفتار نہ کر سکی آخر وہ دن آیا کہ وہ لنزین کے ایک بنک سے گرفتار کر لیا گیا۔ لیکن یہ گرفتاری ایک دوسرے شخص کے دھوکے میں ہوئی۔ اس کا اپنا جرم بھی یہاں کوئی ثابت نہیں تھا مگر پہچان لیا گیا۔ پھر اُسے بیس سال قید کی سزا ہوئی۔ مگر پولیس کو یہ پتہ نہ چل سکا۔ کہ فریب کار جعلی دستخط کیسے بناتا تھا جیل میں حکام کو شک ہوا۔ کہ فریب کار جیل میں رہ کر دوسرے قیدیوں پر یہ راز افشاں نہ کر دے اُسے اِس شرط پر رہائی کا حکم دیا گیا۔ کہ وہ پرتگال سے باہر چلا جائے چنانچہ فریب کار نے بیس سال قید

Marfat.com

کے صلے میں یہ شرط منظور کر لی۔

اُسے رہائی کے ساتھ ایک کثیر رقم دی گئی۔

جہاں قانون نے اپنی شکست تسلیم کی وہاں اس نے مجرم کی حمایت کر کے اس قابل بنا دیا۔ کہ وہ آئندہ جرم کے لئے جواز تلاش نہ کر سکے۔ مگر یہ رواج ہمارے ہاں نہیں۔

متحدہ ہندوستان کے جیل خانوں میں قیدی کو دوران قید ایک روپیہ چار آنے ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی۔ ۱۹۳۱ء کے بعد یہ رسم متروک قرار دے دی گئی نتیجہ کے طور پر مجرم کو بہانہ ملا۔ جیسے منٹگمری کی ایک اطلاع ہے۔

"مارچ کے مہینے میں ایک شخص کو دو سال قید کاٹنے کے بعد جیل سے رہا کیا گیا اور اسی دن چوری کے الزام میں پھر واپس جیل آ گیا۔ اس نے کہا۔ مجھے سیالکوٹ اپنے گھر پہنچنے کے لئے پیسوں کی ضرورت تھی۔ اس لئے مجبوراً چوری کرنی پڑی۔"

یہ درست ہے کہ جیل سے رہائی کے وقت ریل کا ٹکٹ مل جاتا ہے مگر باقی زادِ راہ کے لئے جو رقم حکام جیل دیتے ہیں۔ وہ اس قدر ناکافی ہوتی ہے کہ گھر تک مجبوراً آدمی کو بھوکا جانا پڑتا ہے۔

"۱۹۴۹ء میں وارسا ہرمنی فیلڈ نامی ایک راہ گیر کو پولیس نے کسی شبہ کی بنا پر گرفتار کر لیا۔ لیکن اگست ۱۹۵۴ء میں پانچ سال کے بعد جب رہا کیا گیا تو ساڑھے اٹھارہ ہزار پونڈ معاوضہ دیا گیا یہ رقم دو پونڈ اٹھارہ شلنگ یومیہ کے حساب سے ادا کی گئی تھی۔ ساتھ ہی پانچ سو تیس پونڈ کی رقم تفریح اور

Marfat.com

علاج کے لئے دی گئی۔ تاکہ ۱۹۴۰ دنوں کی قید کی تھکان دور کر سکے۔

حکومت پولینڈ کو مسٹر ہربن فیلڈ سے معذرت کرنی پڑی۔ کہ اسے غلط فہمی کی بنا پر قید کیا گیا تھا۔

مگر ہمارے ہاں راہ چلتے مسافروں کو ۱۰۹ ایس گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا جاتا ہے مہینوں تک اس کی عدالت میں پیشی نہیں ہوتی مگر جب پیش کیا جاتا ہے۔ تو وہ سزا سے کہیں زیادہ حوالات بھگت چکا ہوتا ہے۔

اور ایسے لوگ پھر جیل خانوں میں عادی مجرموں سے مل کر اپنے تعلقات استوار کرتے ہیں۔ اور جب وہ جیل سے باہر آتے ہیں۔ تو اچھے خاصے مجرم کی سی علامات ان میں موجود ہوتی ہیں۔

(۸) جیل خانہ کے بگڑے ہوئے ماحول پر جس قدر کہا سنا جائے کم ہے اس بگاڑ کا سنوار حکومت کے بس کا روگ ہے۔ صرف حکومت کے بس کا۔

جیل خانوں کی اصلاح کے لئے جو اقدام پیشتر ازیں اٹھائے گئے اور جو کچھ اس پر لکھا جا چکا ہے۔ وہ اس قدر ناکافی ہے کہ بقول ایک مجرم کے۔

"اگرچہ جیل میں قیدیوں سے اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔ اور انہیں کوئی نہ کوئی کام بھی سکھایا جاتا ہے مگر ایسا کوئی کام نہیں جس کے سہارے کوئی قیدی آزاد ہو کر بغیر سرمائے کے اپنی زندگی گذار سکے۔

ملزم نے بتایا کہ جیل سے آنے کے بعد عوام کی نگاہوں میں ایک قیدی ذلیل ترین انسان سمجھا جاتا ہے اس احساس کے پیش نظر ایک سزا یافتہ شخص کا زندہ رہنا۔ تب ہی آسان ہو سکتا ہے۔ کہ اگر کوئی جماعت یا حکومت جیل سے رہا

Marfat.com

ہونے والے کی مناسب نگہداشت کرے ورنہ ایک دفعہ کا سزایافتہ ہمیشہ سزا بھگتا رہتا ہے

یہ بیان محمد امین عرف منانے ان دنوں دیا جب وہ دو سال قید کاٹنے کے بعد رہا ہوا۔ اور دوسرے دن چوری کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

ہمارے ملک کے بگڑے ہوئے اقتصادی حالات بھی بہت حد تک جرائم کو آگے بڑھانے میں ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ جیسے جیسے ملک میں بیکاری بڑھے گی جرائم میں اضافہ اور جیل خانوں میں قیدیوں کی گنتی بڑھتی جائے گی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد لندن میں بیکاری کے ساتھ جرائم بڑھے اور اس حد تک بڑھے کہ ایک کروڑ آبادی کا یہ شہر چوروں اور ڈاکوؤں کا مرکز معلوم ہونے لگا۔ آخر حالات درست ہوئے تو جون ۱۹۵۵ء میں وہاں کے پولیس کمشنر کو بیان دینا پڑا۔

"لندن میں ۱۹۵۳ء اور ۱۹۵۴ء کی نسبت جرائم میں کمی ہو رہی ہے۔ ملک میں بیکاری کا خاتمہ اور تجارت میں اضافہ ہونے کی وجہ سے ملک خوشحال ہو گیا ہے۔ ممکن ہے ہماری اخلاقی حالت بھی کسی حد تک درست ہو گئی ہو۔ جو جنگ کے بعد بالکل تباہ ہو گئی تھی۔"

آج مغربی پاکستان کا غالب حصہ چوروں اور قاتلوں پر مشتمل ہے راہ زنی کی وارداتیں تو آئے دن اتفاق بن کے رہ گئی ہیں۔

"ہمارے ملک میں جنسی جرائم بڑھتے جا رہے ہیں قتل کی وارداتوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے کسی دن بھی کوئی اخبار اٹھا کر دیکھئے جس میں اس طرح کی

Marfat.com

خبریں کثرت سے نظر آئیں گی۔

پنجاب کا کوئی ضلع ایسا نہیں جہاں قتل و غارت گری کا بازار گرم نہ ہو گجرات کا ضلع تو تمام ضلعوں پر سبقت لے گیا ہے۔

اس کا واحد حل اول یہ ہے کہ ملک کے اقتصادی حالات کو درست کرنے کے لئے گھریلو اور دیگر صنعتوں کو جیل خانوں میں رواج دیا جائے اور دوسرے قیدیوں پر اعتماد بڑھایا جائے۔

۱۹۵۵ء کے آخر میں سیلاب کی تباہ کاریوں سے جس قدر نقصان ہوا۔ اگر قیدیوں پہ بھروسہ کر کے انہیں باہر نہ لایا جاتا تو آج سیلاب کے کھنڈرات اپنے نقوش چھوڑنے تو اتنی جلدی آمادہ نہ ہوتے۔ یہ بھروسہ جس قدر بڑھے گا۔ جرائم میں کمی ہو گی۔ غیر ممالک میں اپنے قیدیوں پہ اس قدر بھروسہ کیا ہے۔

اٹلی کے جیل خانے سے ایک سنتیس ۳۷ سالہ قیدی کو اس کی درخواست پر کہ مجھے شادی کرنے کے لئے چند روز باہر جانے کی اجازت دی جائے چنانچہ اسے رخصت دے دی گئی اور وہ مقررہ وعدے پر شادی کے بعد جیل واپس آ گیا۔

اس قسم کے واقعات سیلاب کے دنوں ہمارے ہاں بھی سوئے کچھ قیدی اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بھاگ نکلے۔ لیکن وہ پھر سے جیل آ گئے اگر اسی طرح اعتماد بڑھتا گیا اور دونوں فریق ایک دوسرے پر بھروسہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ تو ہماری بہت سی مشکلات کا حل نکل آئے گا۔

تجاویز :-

میری زندگی کے بہت سے سن و سال جیل خانوں میں گزرے ہیں۔ متحدہ

Marfat.com

پنجاب کا کوئی جیل خانہ ایسا نہیں جہاں کے در و دیوار مجھ سے آشنا نہ ہوں سب کے سب میری گستاخ نگاہیں پرنم گناہ ہیں۔ خزاں و بہار کے۔ بیسوں لیل و نہار ان اونچی دیواروں کی اوٹ میں بسر کر دیئے۔ لوہے کی مضبوط سلاخوں کے پیچھے نسیم سحری کے نغمے بھی سنے اور باد سموم کی تلخ گامیوں سے اپنے کو مجروح بھی کیا۔ اس زمین کا ہر ذرہ میری آبلہ پائی پر گواہ ہے کئی برس گزرنے پر بھی میرے گیتوں کی آواز جیلوں کے در و دیوار سے سنی جا سکتی ہے۔ میں ان راستوں کو مدت سے روند چکا ہوں۔ ان کے ہر موڑ سے واقفیت رکھتا ہوں۔ میرے بچپنے سے شباب تک کا زمانہ اسی دشت کی سیاحی میں گزرا ہے بدیں وجہ میری تجاویز کا ماحصل شامدت پہ ہے شنید پر نہیں۔ اگر حکومت جیل خانہ کی اصلاحات کے سلسلہ میں کوئی اقدام کرنا چاہتے تو میری تجاویز پر عمل پیرا ہو تو تھوڑی مدت کے بعد حالات بالکل دوسرے رنگ میں سامنے آئیں گے۔

(۱) جیل خانے کا نام بدل کر دارالاصلاح رکھ دیا جائے۔

(الف) اس نام میں اس قدر دہشت پنہاں ہے کہ نفسیاتی طور پر آدمی کا ذہن اس نام سے پذل ہو جاتا ہے۔

(ب) اس نام کے ساتھ ظلم و جور کی تاریخ وابستہ ہے جس سے آدمی کا ذہن کسی طور فارغ نہیں ہو سکتا مذکورہ بالا ... کی بنا پر نام کی تبدیلی ضروری ہے۔

(۲) جیل حکام با... ہونے چاہیں۔

(الف) جیل خانوں میں غالب اکثریت ناخواندہ لوگوں کی ہوتی ہے لہذا آفیسر ایسے ہونے چاہیں۔ جو اخلاق اور تجربہ کی بنا پر قیدیوں پر قابو پا سکیں۔

Marfat.com

(ب) جس طرح دوسری سرکاری ملازمت کے لئے حکومت نے کورس مقرر کر رکھا ہے۔ جیل کی ملازمت کیلئے بھی کورس مقرر ہونا چاہئے۔

(ج) جیل لائن کا ہر طالب علم خواہ وہ کسی حصے سے متعلق ہو دن کا کچھ وقت قیدیوں کے ساتھ گزارے تاکہ قیدیوں پہ ہونے والا آفیسر قیدیوں کی نفسیات کا ماہر ہو سکے۔

(۳) ہر وارڈر کی تنخواہ اتنی اور نوے کے درمیان ہونی چاہئے نیز وارڈروں کے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری حکومت پر ہونی چاہئے۔

(ا) جیل خانے کے انتظام کا بہت حد تک دار و مدار وارڈروں پر ہے اگر وہ خوشحال نہیں تو جیل کا نظام اور بھی خراب ہو گا جیسا کہ ہے۔

(ب) وہ تنخواہ کی کمی کے باعث ہر بدمعاشی میں قیدی کا معاون ہوتا ہے کیونکہ ان حرکات سے اسے مالی فائدہ پہنچتا ہے۔

(ج) ہر وارڈر سے چھ گھنٹے سے زاید نوکری نہ لی جائے جب کہ آج کل ہر وارڈر آٹھ گھنٹے نوکری دیتا ہے۔ کورٹ موقعہ، گھڑی گشت، پیترا وغیرہ کا سفر ملا کر قریباً سات میل روزانہ مسافت طے کرنا پڑتی ہے اس بنا پر اگر وارڈروں کی صحت دیکھی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ دق کا چلتا پھرتا ہسپتال ہے۔ اگر نوکری چھ گھنٹے ہو تو وارڈر اپنی صحت اور گھر بار کی دیکھ بھال کر سکتا ہے۔

(۴) زنانہ جیل کی محافظ (عورت) دایہ ہونی چاہئے

(ا) سوائے لاہور کے پنجاب بھر میں کہیں زنانہ جیل کا الگ انتظام نہیں ڈسٹرکٹ اور سب جیلوں میں مجرم عورتوں کے لئے علیحدہ چار دیواری کر دی جاتی ہے اسکا انتظام

Marfat.com

ایک ملازمہ کے سوا باقی تمام مرد قیدیوں یا وارڈروں کے سپرد ہوتا ہے اس کا جو نتیجہ نکلتا ہے وہ لکھنے سے نہیں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

(ب) ہر زنانہ جیل کا اندرونی اور بیرونی انتظام عورت ملازمہ کے سپرد ہونا چاہئے جہاں تک کہ ڈاکٹر بھی عورت ہی ہو۔

(ج) بسا اوقات کوئی حاملہ عورت مجرم کی حیثیت سے جیل لائی جائے اور جب بچے کی پیدائش کا وقت آتا ہے تو مرد ڈاکٹروں کو ساری منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں۔

(د) عام طور پر زنانہ جیل خانوں میں مجرم عورت کو اگر کوئی جسمانی تکلیف ہو تو جیل کا ڈاکٹر ہی علاج کرتا ہے۔ حالانکہ عورت کی لعض امراض ایسے ہوتے ہیں جن کا علاج لیڈی ڈاکٹر ہی کر سکتی ہے لہٰذا ان تمام چیزوں کا واحد حل یہی ہے کہ ڈسٹرکٹ اور سب جیلوں کے زنانہ وارڈر کی محافظ ایسی عورت ہونی چاہئے جو دایہ کے کام کو سمجھتی ہو۔

(۵) ہر جیل کے کارخانے میں مندرجہ ذیل صنعتی کام ہونے چاہئے :۔
درزی۔ لوہارا۔ بڑھئی۔ پینٹر۔ موچی۔ چمڑے کی رنگائی۔ کپڑا بننے کی کھڈی۔ اور بوٹ بنانا۔ جلد سازی۔ پریس۔ دری اور قالین بننا۔ رنگائی (گرم اور سوتی) صابن سازی۔ سوتر کے بٹن بنانا۔ ٹین گری یا ٹین سازی۔ کرسی بننا وغیرہ

(و) پیشتر ازیں پنجاب ۔ ۔ ۔ لاہور بورسٹل جیل ہی ایک ایسا ادارہ ہے جہاں قدرے صنعت کاری کا رواج تھا۔ لاہور سنٹرل اور منٹگمری جیل میں پریس اور قالین بنائے جاتے تھے باقی سب میں کولہو۔ خراس۔ مونج کٹائی۔ بان بٹنا۔ چکائی۔ کاغذ بنانا اور گھوٹنا وغیرہ ظاہر ہے کہ اس قسم کے کام صنعت

Marfat.com

کے طور پر پیش نہیں کئے جا سکتے اور نہ ہی ان کاموں سے قیدی کا مستقل روشن ہو سکتا ہے۔ جب کسی کھاتہ سے قیدی رہا ہو تو اس کے پاس متعلقہ آفیسر کا سرٹیفکیٹ ہوتا کہ جیل سے باہر آ کر اسے کام تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔

(ب) اگر حکومت ایسے لوگوں کو اپنے صنعتی اداروں میں جگہ دے تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ان کی نگرانی ہو سکے گی ورنہ ہو سکتا ہے کام نہ ملنے کی وجہ سے وہ پھر ٹھوکر کھا جائیں۔

(۶) ہر قیدی کی تنخواہ مقرر ہونی چاہئے اس سے حکومت اور قیدی دونو کا فائدہ ہے۔

(ا) ایک آدمی جیل میں آتا ہے اور پڑھا لکھا ہے لیکن۔

تو اس کی تعلیم اور قید کے مطابق کام سکھانا چاہئے جب وہ کامیاب ہو جائے تو اس کی تنخواہ مقرر کرنی چاہئے

(ب) تنخواہ کے تین حصے ہونے چاہئے ایک حصہ قیدی کی خوراک پہ خرچ ہو دوسرا اس کے حساب میں جمع ہو۔ تیسرا سرکار اپنے مصرف میں لائے۔

(ج) اس سے ایک تو حکومت کے بجٹ میں تخفیف ہو گی اور دوسرا قیدی کو رہا ہوتے وقت معقول رقم مل جائے گی جس سے وہ اپنا کام چلا سکے گا۔

(۷) قیدیوں کے کھانے میں گھی استعمال ہونا چاہئے نیز بیف (BEEF) کی جگہ بکرے کا گوشت ملنا چاہئے۔

(ا) بعض طبائع کے لئے سرسوں کا تیل مفید نہیں ہوتا اور مسلسل تیل کا استعمال کسی کے لئے بھی بہتر نہیں۔ موجودہ وقت میں جو تیل جیل میں قیدیوں کی خوراک

Marfat.com

میں استعمال کیا جاتا ہے اس پر سرسوں کے تیل کی کوئی ضمانت نہیں۔

(ب) بیف (BEEF) (گائے کا گوشت) طبی نقطۂ نظر سے یہ گوشت کسی صورت میں مفید نہیں۔

جدید اور قدیم اطبا کی رائے ہے کہ گائے کا گوشت جگر، معدہ اور آنتوں کے لئے قطعاً غیر مفید ہے نیز اس کے گوشت میں دق کے جراثیم اکثر پائے جاتے ہیں اس صورت میں گائے کا گوشت آدمی کی صحت کے لئے مفید ہو سکتا ہے؟ یہ رائے صرف ایسے جانوروں کے گوشت کے متعلق ہے جو جوان ہوں۔ لیکن جیلوں میں جو گوشت قیدیوں کو دیا جاتا ہے وہ شاید ایسے جانوروں کا ہوتا ہے جو فرشتہ موت کے ہاتھوں بھاگ گئے ہوں۔

(ج) اگر تجویز ۶ مان لی جائے تو جیل کی خوراک خود بخود اچھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ تجویز ۲ قابل قبول ہو۔

(د) موجودہ حالات میں ہفتہ میں دو مرتبہ گھی استعمال کیا جاتا ہے ایک دن سالن میں ایک دن چاولوں میں۔ لیکن اس کی مقدار نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے مثلاً سولہ سیر چاول کی دیگ میں ایک سیر یا تین پاؤ گھی تیس سیر گوشت کے شوربے میں پانچ سیر گھی۔ اگر اسی مقدار میں روزانہ قیدیوں کی خوراک میں گھی استعمال ہو تو تیل کے مسلسل استعما[illegible]

(۸) ہر جرم کے [illegible] یں الگ ہو (چور، ڈاکو، گرہ کٹ، قاتل) اور دیوانی اور فوجداری اکٹھی ہوں۔

(ل) اس وقت پنجاب میں سنٹرل اور ڈسٹرکٹ جیلوں کی تعداد بیس کے

Marfat.com

قریب ہے۔ اگر ان سب کو ڈویژن وار تقسیم کر کے مختلف جرائم کے لوگوں پر مخصوص کر دی جائیں۔ تو ایسے تماش کے لوگوں کو سمجھانے بجھانے میں سہولت ہو گی۔

(ب) عادی مجرموں کے لئے منٹگمری جیل پیشتر سے ہے لیکن موجودہ ماحول میں کافی نہیں کہا جا سکتا۔

(ج) نو آموز گناہ گاروں کو پیشہ ور مجرموں سے فوراً الگ کر لینا چاہئے تاکہ سفید چادر پر جو داغ پڑ چکا ہے اس میں مزید اضافہ نہ ہو اور نہ ایک دن آئے گا۔ جب ساری چادر داغ دار ہو جائے گی پھر اس کا دھونا مشکل ہو گا۔

(د) ایسے قابل ترین لوگوں کی خدمت حاصل کرنی چاہیں جو مجرم سے گفتگو کرتے وقت جرم اور مجرم دونو کو سمجھتے ہوں اور وہ نفسیات کے ماہر ہوں جرم کا تعلق دل کی گہرائی سے ہوتا ہے جب تک اس آتھاہ گہرائی میں غوطہ زن ہونے والا تلاش نہیں کیا جائے گا جرم کی اصل معلوم ہونا مشکل ہے۔ علاج مرض کی تشخیص کے بعد ہوتا ہے۔

(۹) نابالغ بچوں کے لئے جیل الگ ہو۔

(ا) تقسیم ملک سے پہلے دہلی میں ریفارمیٹری (reformatory) نوعمر مجرموں کے لئے مخصوص تھی۔ وہاں پڑھائی دستکاری کے تمام شعبے سیر و تفریح کا شتکاری صحت کے لئے کھیل کود وغیرہ کا انتظام اتنا باقاعدگی سے تھا کہ بچے یہاں سے فارغ ہو کر بہت کم جرم کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اگر ایسا انتظام یہی پاکستان میں ہو جائے تو ہماری آئندہ نسلیں جرم کے دروازے تک پہنچنے سے پہلے نیک اور بہتر ہو سکتی ہیں۔

Marfat.com

(۱۰) ہر جیل میں قیدیوں کے لئے تعلیم کا باقاعدہ انتظام ہو۔

(ا) گو جیلوں کے گزشتہ اور موجودہ انتظام میں تعلیم کا بھی حصہ ہے۔ مگر مروجہ طریقہ تعلیم اس قدر ناقص اور غیر مفید ہے کہ مدتوں بعد قیدی کو الف، ب کی شناخت ہوتی ہے۔ دن بھر کی مشقت سے تھکے ہارے قیدی کو رات کے وقت اس کی بیرک میں اسی کا ایک ساتھی پڑھانا شروع کرے تو بتاؤ وہ خاک پڑھے گا جب کہ اسے یہ فکر بھی ہو کہ صبح پھر مشقت پہ جانا ہے۔

(ب) ہمارے ملک میں جرائم کی بڑی وجہ ہمارے عوام کی ناخواندگی ہے جیلوں کے اندر کا عوام بھی اسی قطار میں کھڑا ہے ہم صرف جیلوں کے طریقہ تعلیم کو ہی تبدیل نہ کریں بلکہ جیل خانوں کے لئے الگ نصاب تعلیم لکھوائیں۔

تجویز ۸ اور ۹ کے مطابق ہر جیل میں وہاں کے ماحول کے پیش نظر کتابیں پڑھائی جائیں اور دن کا ایک حصہ تعلیم کے لئے مخصوص کیا جائے یہ طریقہ بالغاں کا ہے۔ اس کے لئے قیدی نہیں بلکہ باہر سے قابل اساتذہ کی خدمات حاصل کی جائیں۔

(ج) لاہور بورسٹل جیل کی طرح تعلیم کے لئے اوقات اور جگہ کا تعین ضروری ہے جیل میں امتحان سال میں دو مرتبہ ہونے چاہییں۔ جیل کے نصاب تعلیم میں صرف مذہب اور [illegible] ہیں۔

(د) ہر جیل میں لائبریری کے موجودہ نظام کو بالکل بدل دینا چاہیے۔ اور بہترین کتب کے علاوہ روزانہ اخبارات اور بہترین ادبی رسائل کا انتظام کیا جائے تاکہ جیل خانے کا ہر قیدی ملکی معاملات سے باخبر رہے۔

Marfat.com

(۱۱) پنجاب کی اکثر جیلیں پھر سے تعمیر کرنی چاہیں

ا ۔ یوں تو پنجاب کے تمام جیل خانوں کا ڈھانچہ بدلنے کی ضرورت ہے لیکن بعض جیلوں کے اندرونی حصے کو ازسر نو تعمیر کرنے کی خاص طور پر ضرورت ہے ان عمارات کو تعمیر ہوئے سال ہا سال گزر چکے ہیں ان کا اندرونی ڈھانچہ اس قدر خستہ اور ویران ہو چکا ہے۔ کہ برسات کے دلوں چھتیں ٹپکتی ہیں موسم گرما میں سورج کی تپش سے قیدی اپنے آپ کو محفوظ بھی نہیں رکھ سکتا۔

(ب) حق تو یہ ہے کہ تمام جیلوں کو پھر سے تعمیر کیا جائے اگر یہ نہیں تو کوٹ موقعہ بجائے کچی اینٹوں کے پکی اینٹوں سے بنایا جائے اس سے وارڈروں اور نمبرداروں کو فائدہ ہوگا۔

بجائے پہرا چلنے اور تمام دن نمبرداروں اور وارڈروں کے سفر کے جیل خانوں کے چاروں کونوں پر برج بنا دیئے جائیں جن پر نمبردار یا وارڈر اپنے اپنے وقت پہ نوکری دیں اس سے جیل کے انتظام میں بہت زیادہ فائدہ ہوگا۔
جیل خانہ جات کی دیواریں اسی قدر خستہ ہو چکی ہیں کہ بار بار لیپا پوتی کے گزشتہ سیلاب میں ملتان اولڈ سنٹرل جیل کی دیواریں گر گئیں یہی حال پنجاب کی دوسری جیلوں کا ہے۔

(ج) نیو سنٹرل جیل ملتان ڈسٹرکٹ جیل گجرات اور نیو لوسٹل للاہور یہ تین جیلیں نئے طریقے اور نئے ماڈل پر تعمیر کی گئیں ہیں۔ کیا ان کے جیل ہونے میں کوئی فرق آیا؟ لیکن ہر سہ علاقے میں رہنے سے قیدی کو کسی موسم میں کوئی دقت نہیں ہوتی ایک اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ گرمی کے دلوں اینٹیں زیادہ

Marfat.com

گرم ہو جاتی اور اس طرح قیدی کے لئے موسم گرما زیادہ مشکل ہوگا مگر کچی اینٹیں کونسی رعایت کرتی ہیں ؟ یہ محض بہانہ ہوگا۔

(۱۲) جیلوں سے تنہائی کوٹھڑیوں کا طریقہ ختم کر دیا جائے۔

لہ۔ اگر تجویز نمبر ۱ قبول کر لی جائے تو نئی تعمیر میں تنہائی کوٹھڑی کا سسٹم ختم کر دیا جائے اس سے دو طرح کا نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

اول ہوا کا خاطر خواہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے جون جولائی کے موسم میں تنہائی کوٹھڑی دن اور رات دونوں وقتوں میں کسی وقت بھی بند ہونے سے دل اور جگر پر اثر ہوتا ہے۔ میعادی قیدی اس اثر کو ماندہ زندگی تک زائل نہیں کر سکتا۔

دوم : جیلوں میں کبھی آپ کو آنے کا موقع ملے تو سیاہ رنگ، پچکی ہوئی گالیں اندر دھنسی ہوئی آنکھیں، مردہ سا جسم والے قیدی دکھائی دیں گے یہ دراصل اسی مرض کے مریض ہیں۔ گرمی کے دنوں میں شام ۴ بجے تالے پڑ جاتے ہیں صبح پانچ بجے کھلتے ہیں بارہ گھنٹے مسلسل جس قیدی کو گرمی کے دنوں تنہائی کوٹھڑیوں میں بند رہنا پڑے تو اندازہ کریں اس کا باقی کیا رہے گا؟

بعض لوگ تنہائی میں خوف محسوس کرتے ہیں اور یہی خوف بڑھتے بڑھتے اختلاج قلب کی شکل اختیار کر لیتا ہے اس لئے بہتر ہے کہ تنہائی کوٹھڑی کے سسٹم کو ختم کر دیا جائے۔

(۱۳) جیلوں میں ہسپتالوں کا انتظام باقاعدہ اور بہتر ہونا چاہئے۔

لہ : سکھ اور دکھ انسانی زندگی کے ساتھ اس طرح وابستہ ہیں جس طرح رات اور دن ایک دوسرے سے متعلق ہیں انسان کسی حالت میں بھی ہو یہ کبھی

Marfat.com

جدا نہیں ہو سکتے۔

یوں تو جیلوں میں ہسپتال کا انتظام ہے مگر یہ شکایت پرانی ہو چکی ہے کہ یہاں کے انتظامات جیل کے باقی انتظامات کی طرح نہایت ناقص ہوتے ہیں۔ اول تو سول سرجن ہفتہ میں زیادہ سے زیادہ دو دن معائنے کے لئے آتے ہیں اور مریض کو سرسری نظر دیکھنے کے علاوہ ان کی شاید کوئی ڈیوٹی ہی نہیں جس ڈاکٹر نے ہر وقت بیمار قیدیوں کی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے وہ بہت حد تک اپنا کام کمپوڈر کے سپرد کرتا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ قیدی سول سرجن اور ڈاکٹر کی بے اعتنائی کے باعث مستقل مریض بن جاتا ہے۔

(ب) رات کو اگر کوئی قیدی کوٹھڑی میں بیمار ہو۔ تو اس کی اطلاع احاطے کے نمبردار کو دینی پڑتی ہے۔ نمبردار پھر چکر کے نمبردار کو اطلاع کرتا ہے چکر کا نمبردار پھر ڈیوٹی کے وارڈ کو اطلاع دیتا ہے۔ وارڈ پھر ڈیوٹی کے دھیان کو اطلاع کرتا ہے۔ دربان پھر کسی آنے والے کا انتظار کرتا ہے تاکہ ڈاکٹر کے گھر اطلاع کی جائے ڈاکٹر صاحب پھر کمپوڈر کو اطلاع کرتے ہیں۔ پھر کمپوڈر صاحب کا آنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

"کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک"

لہٰذا ضروری ہے کہ ایک ذمہ دار آدمی ہر وقت ہسپتال میں رہے تاکہ وقت پر بیمار قیدی کو طبی امداد پہنچ سکے۔

(ج) دوائیاں اب تو قدرے پہلے سے بہتر آ چکی ہیں مگر اب بھی ایک نمبریت سے مریضوں کے مرض کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اگر ذرا بہتر انتظام

Marfat.com

سے جیل کے ہسپتال کو چلایا جائے۔ اور افسرانِ متعلقہ اپنی ذمہ داری کا احساس کریں۔ تو حالات بہتر ہو سکتے ہیں۔

(۱۴) مذہبی رسوم کی ادائیگی کے لئے قیدیوں کو ایک جگہ جمع ہونے کی عام اجازت ہونی چاہیئے۔

ل : انگریزی عہد میں چونکہ مختلف مذاہب کے لوگ جیلوں میں ہونے کے باعث یہ بہانہ کیا جا سکتا تھا کہ قیدیوں کا اجتماع جیل خانے کے انتظام کے لئے خطرے کا باعث ہے لیکن اب تو یہ حجت بھی تمام ہو چکی ہے۔

سب کے سب مسلمان ہیں۔ لہٰذا جمعہ، عیدین، بارہ ربیع الاول جیسے مذہبی تہواروں پر تمام قیدیوں کو ایک جگہ جمع ہو کر فریضہ کی ادائیگی کا موقعہ دینا چاہیئے۔

ختم

Marfat.com

Marfat.com